احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

نومبر 2015ء

# محبتِ اہلِ بیت، عقیدۂ اہلِ سنت ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

# غربت و افلاس کا خاتمہ

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

# بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے معاشی حقوق

# جمہوری نظام اور بلدیاتی ادارے

فرانس: یونیسکو کے زیر اہتمام

انٹرنیشنل کانفرنس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شرکت

فرانس: یونیسکو کے زیرِ اہتمام انٹرنیشنل کانفرنس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شرکت

منہاج القرآن علماء کونسل کے 27 ویں یوم تاسیس کے موقع پر علماء کنونشن کا انعقاد

مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے 21 ویں یوم تاسیس کے موقع پر تقریب کا انعقاد

فلپائن: بین المذاہب رواداری ورکشاپ۔ ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز MQI کی شرکت

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز
زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

جلد 29 شمارہ 11 / محرم / صفر ۱۴۳۷ھ / نومبر 2015ء

www.facebook.com/minhajulquran
www.minhaj.info mqmujallah@gmail.com

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد یوسف

اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد شعیب بزمی

## حسن ترتیب


| | | |
|---|---|---|
| اداریہ۔ حکمرانوں کی معاشی دہشت گردی | | 5 |
| (القرآن)۔ محبتِ اہلِ بیت، عقیدۂ اہلِ سنت ہے | شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری | 7 |
| (الفقہ)۔ آپ کے فقہی مسائل | مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی | 23 |
| غربت و افلاس کا خاتمہ۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں | ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ | 27 |
| انسانی زندگی پر مذہبی منفی سوچ کے اثرات | ایس ایچ صدیقی | 35 |
| جمہوری نظام اور بلدیاتی ادارے | عین الحق بغدادی | 42 |
| بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے معاشی حقوق | ڈاکٹر علی اکبر الازہری | 48 |
| فرانس: یونیسکو کے زیرِ اہتمام انٹرنیشنل کانفرنس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شرکت | | 55 |
| فلپائن: بین المذاہب رواداری ورکشاپ۔ ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز MQI کی شرکت | | 56 |
| منہاج القرآن علماء کونسل کے 27 ویں یوم تاسیس کے موقع پر علماء کونشن کا انعقاد | | 56 |
| مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے 21 ویں یوم تاسیس کے موقع پر تقریب کا انعقاد | | 57 |


مجلس مشاورت
صاحبزادہ فیض الرحمٰن درانی، خرم نواز گنڈا پور
ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، شیخ زاہد فیاض
جی ایم ملک، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، قاضی فیض الاسلام، فرح ناز

مجلس ادارت
علامہ محمد معراج الاسلام، مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی
پروفیسر محمد نصر اللہ معینی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری
عکاسی: محمود الاسلام قاضی

قیمت فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ زرتعاون: 250 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک
مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ ور یاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ
اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان
ترسیل زر کا پتہ
فون: UAN: 111-140-140 فیکس: 35168184

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

# حمد باری تعالیٰ

روبرو ہے حرم تیری توفیق سے
در پہ حاضر ہیں ہم تیری توفیق سے

لائقِ بارگاہِ کرم ہم نہ تھے
ہوگیا ہے کرم تیری توفیق سے

دھل گئے سب گناہوں کے دفتر یہاں
ہوگئی آنکھ نم تیری توفیق سے

ملتزم سے لپٹنے کی تھی آرزو
رہ گیا ہے بھرم تیری توفیق سے

تیرے دامان رحمت سے لپٹے ہیں ہم
تیرے فضل و کرم تیری توفیق سے

عشق ہے سرزمین عرب سے ہمیں
گو ہیں اہل عجم تیری توفیق سے

مجھ گنہگار کے ناتواں ہاتھ میں
آج ہے ملتزم تیری توفیق سے

بوسۂ سنگ اسود کی تاثیر نے
سب بھلائے ہیں غم تیری توفیق سے

روح گویا حرم کی فضاؤں میں ہے
ہے یہ نعمت بہم تیری توفیق سے

آب زمزم کا ساغر لیا ہاتھ میں
بھول کر جامِ جم تیری توفیق سے

تو نے بخشا ہے شہزؔاد کو یہ ہنر
چل رہا ہے قلم تیری توفیق سے

﴿شہزاد مجددی﴾

# نعت بحضور سرورِ کونین ﷺ

کائناتِ حسن ہیں وہ، حسن کا شہکار ہیں
اُن کے پرتو سے مزین گلشن و گلزار ہیں

مسجدِ اقصیٰ بھی شاہد، حضرتِ جبریل بھی
انبیاء سب مصطفیٰ کے طالبِ دیدار ہیں

کنجیاں حق کے خزانوں کی ہیں اُن کے ہاتھ میں
جس کو جو چاہیں وہ دیں، وہ مالک و مختار ہیں

کیوں ہجومِ غم میں ہاریں، حوصلہ ہم دوستو
بے سکوں کے جب محمد مصطفیٰ غمخوار ہیں

کیا کریں گے پیش ہم، حسنِ عمل پیشِ خدا
''حشر میں ہم عاصیوں کا آسرا سرکار ہیں''

اِک نگاہِ سید کونین کے ہیں منتظر
ہاتھ باندھے ہم بپیشِ احمدِ مختار ہیں

دیکھ ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر کا مقام
انبیاء کے بعد سب سے محترم یہ چار ہیں

کاش ہمدانؔی کہیں اہلِ سخن، اہلِ وفا
پُر محبت سے پیمبر کی، ترے اشعار ہیں

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمدانی﴾

# حکمرانوں کی معاشی دہشت گردی

مملکت خداداد پاکستان کا نام نہاد جمہوری نظام موروثی سیاست اور ''ون مین شو'' کے نرغے میں ہے۔ موجودہ حکمران جماعت ہو یا سابقہ۔ کم و بیش سب وفاقی اور صوبائی جماعتوں کی سیاست موروثیت اور شخصیت کے اردگرد گھومتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی ترجیحات متعین نہیں ہوسکیں۔ ملک کی سیاسی، معاشی، تجارتی اور خارجہ پالیسی جیسے بنیادی قومی معاملات محض اللہ کے سہارے پر چل رہے ہیں۔ دہشتگردی، کرپشن، غربت اور لاقانونیت آج بھی کور ایشوز ہیں جن کے حوالے سے حکومتی کردار مجرمانہ رویے پر مبنی ہے۔ مدارس کی اصلاحات، امن نصاب، نیکٹا کو فعال بنانا اور کوئیک رسپانس فورسز کے حوالے سے حکمران زبانی جمع خرچ تک محدود ہیں جبکہ کروڑوں عوام کے جان و مال کو دہشتگردوں کی طرف سے آج بھی خطرات لاحق ہیں۔ حکومت نے دہشتگردی کے خاتمہ کی حالیہ جنگ سے علامتی توجہ بھی ہٹا لی ہے۔ پہاڑوں اور غاروں میں دہشتگردوں کے خلاف حاصل ہونے والے فوجی کامیابیوں کو سول حکومت شہروں میں ناکام بنارہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قومی ایکشن پلان اور اس پر ہونے والا قومی اتفاق رائے کہاں ہے؟

افواج پاکستان مسلح دہشت گردی کے خلاف کامیابی کے ساتھ برسرپیکار ہیں جبکہ حکمران معاشی دہشت گردی کے ذریعے ملک وقوم کے جسم پر اپنے پنجے ہر آئے روز گاڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ 19 کروڑ عوام کو گروی رکھ کر زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ کیا جارہا ہے۔ صنعت اور زراعت کا پہیہ الٹا گھوم رہا ہے۔ پڑھے لکھے نوجوان خودکشیاں کررہے ہیں۔ روزمرہ اشیاء، آٹا، سبزیاں، دالیں، دودھ تک عام آدمی کی پہنچ سے دور ہوتا جارہا ہے۔ دوسری طرف دھڑا دھڑ غیرملکی قرضے لے کر اور قومی اداروں کو اونے پونے بیچ کر آئندہ نسلوں کا بال بال قرضوں کے جال میں جکڑا جارہا ہے۔ یوروبانڈ کی نیلامی قومی مفاد کی نیلامی ہے مگر افسوس حکومت کے ان معاشی جرائم پر پارلیمنٹ اور احتساب کے تمام ادارے خاموش ہیں۔ ہر پاکستانی کے ذمہ واجب الادا قومی قرضہ ایک لاکھ روپے سے بڑھ گیا ہے جو دو سال قبل 70 ہزار سے کم تھا۔ حکمران اپنی عیاشیوں کیلئے ایک طرف مزید قرضے لے رہے ہیں اور دوسری طرف قومی دولت کو بھی ایسے منصوبوں پر خرچ کررہے ہیں جن سے بالواسطہ منافع پھر انہی کی جیب میں جارہا ہے۔ ان کی دلچسپی صرف انہی منصوبوں تک ہے جن سے انہیں کچھ ملنے کی امید ہوتی ہے جبکہ عوامی فلاح اور خوشحالی کے وہ منصوبے جن میں انہیں ''آمدنی'' کی توقع نہیں، ان کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں ہے۔ یہ کھرب پتی حکمران بھاگ جائینگے اور آئندہ نسلیں کئی دہائیوں تک سود اور قرضے ادا کرتی رہے گی۔

موجودہ حکمرانوں اور موجودہ کرپٹ سسٹم کا مزید برقرار رہنا قومی مفاد میں نہیں۔ کرپشن کے ناسور کو جڑ سے ختم کرنے کیلئے ''بائی پاس'' آپریشن میں مزید تاخیر کی گئی تو بڑی مچھلیوں کو قابو میں لانا ممکن نہیں رہے گا اور اس ناکامی کے منفی اثرات آپریشن ضرب عضب پر بھی مرتب ہونگے۔ گذشتہ دور میں چند فرنٹ مینوں پر ہاتھ پڑا تو چیخ و پکار شروع ہوگئی اور کرپشن کے دلدادہ سیاستدان آستین چڑھا کر اداروں کو بلیک میل کرنے لگے ہیں۔ قومی اداروں کو چاہئے کہ وہ کرپشن کے خلاف آپریشن ضرب عضب کی طرح کی کارروائی کر کے ملک اور قوم کو گندے انڈوں سے نجات دلائیں۔ وزارت خزانہ میں

آج بھی کالے دھن کو سفید کرنے اور منی لانڈرنگ کو قانونی تحفظ دینے کے منصوبے اور سکیمیں بن رہی ہیں۔ ملکی اداروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلی ترجیح میں کرپشن کے خلاف مہم کو تیز کریں۔ مگرمچھوں کی چیخ و پکار کو خاطر میں نہ لائیں۔ احتساب کے ادارے اپنے حصے کا آئینی کام کرتے رہتے تو کسی اور ادارے کو یہ قومی کام کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

سٹیٹس کو کی جماعتوں اور نیم خواندہ لیڈرشپ نے وسائل سے مالا مال ملک کو ایتھوپیا اور صومالیہ کے درجے پر لا کھڑا کیا۔ پڑھے لکھے نوجوانوں کیلئے پاکستان میں کوئی روزگار نہیں جبکہ نااہل اور کرپٹ قیادت نے پاکستان کو کمیشن خوروں اور ٹھیکیداروں کی جنت بنا دیا ہے۔ جو جماعت 30 سالہ اقتدار میں عوام کو صاف پانی کی سہولت نہ دے سکی اس سے مزید توقع رکھنا وقت کا ضیاع ہے۔ موجودہ حکمرانوں نے غربت کی بجائے غریب کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ایسے نظام کی ضرورت ہے جس میں خواتین سمیت پسے ہوئے طبقات کو تحفظ ملے، عوام کی فلاح و بہبود کے کام ہوں اور انسانی اقدار پروان چڑھیں۔ قوموں کی زندگیوں میں فیصلوں کی گھڑیاں آتی ہیں، وہ شعور و بصیرت سے فیصلہ کرتی ہیں اور انکی پہلی و آخری ترجیح ملک و قوم کا مفاد ہوتا ہے۔ عوام قاتلوں، ٹیکس چوروں اور لٹیروں کو مسترد کر کے باوقار مستقبل کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ اربوں، کھربوں روپے کا فنڈز ہڑپ کر کے الیکشن لڑنے والی پارٹیاں ملک و قوم کی وفادار نہیں ہو سکتیں۔

اعلیٰ عدالتوں کی جانب سے پابندی کے باوجود پنجاب حکومت بلدیاتی انتخابات سے قبل ترقیاتی فنڈز کو انتخابی مہم کیلئے بھرپور استعمال کیا اور کر رہی ہے۔ حکمران جماعت کے امیدوار اس خطیر رقم کے اجراء کو انتخابی مہم کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ جیسے ہی بلدیاتی انتخابات کیلئے مختلف سیاسی جماعتوں کے امیدواروں نے انتخابی مہم کا آغاز کیا، وزیراعلیٰ پنجاب نے اپنی تصاویر پر مشتمل اشتہاری مہم کا آغاز کر دیا اور ان اشتہاروں کی ادائیگی بھی قومی خزانے سے ہی ہو رہی ہے۔ وزیراعلیٰ پنجاب اس اشتہاری مہم کے ذریعے انتخابی عمل پر نہ صرف اثرانداز ہو رہے ہیں بلکہ اپنے اختیارات اور قومی وسائل کا بھی ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ افسوس! الیکشن کمیشن نے اس بلواسطہ پری پول رگنگ کا کوئی نوٹس بھی نہیں لیا۔

دہشتگردی کے مکمل خاتمہ کی راہ میں یہ ظالم نظام اور کرپٹ حکومت سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ملک بچانے کیلئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے کرپشن کے سیاسی ایٹم بم ناکارہ بنائے جائیں۔ لنگڑی جمہوریت کسی مرض کی دوا نہیں۔ پارلیمنٹ تو پہلے ہی عضو معطل ہے مگر اس کا کٹھ پتلی کردار بھی نظر نہیں آرہا۔ ملک میں جاری معاشی دہشتگردی کا خاتمہ قومی ایکشن پلان کا حصہ ہے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ شفافیت کے دعوے کرنے والے وزیراعلیٰ پنجاب نے اپنے وزیر کی رشوت خوری کے ناقابل تردید ثبوتوں کے باوجود اس کے جرم پر ایک سال پردہ ڈالے رکھا۔ نندی پور منصوبہ کی کرپشن اور بدانتظامی نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا۔ دھرنے کے خلاف ایک چھتری کے نیچے جمع ہونے والے جمہوریت کے نام نہاد چیمپئنز پارلیمنٹ سے بالا بالا چیخ و پکار کرتے پھر رہے ہیں، اب پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس بلا کر اپنی نام نہاد جمہوریت اور اصولوں کا دفاع کیوں نہیں کرتے؟

پاکستان ہمیشہ کی طرح اندرونی اور بیرونی خطرات کی زد میں ہے۔ ان حالات میں ہر ذی شعور کو اپنے حصہ کی شمع جلانا ہوگی اور ایک ایسا مثبت انقلابی کردار ادا کرنا ہوگا جو اس مملکت خداداد کے اندھیروں کو ختم کر سکے اور امن و محبت اور خوشحالی کو اس دھرتی کا مقدر بنا سکے۔

القرآن

گذشتہ سے پیوستہ

# محبتِ اہلِ بیت، عقیدۂ اہلِ سنت ہے


شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب☆

مرتّب: محمد یوسف منہاجین // معاون: محمد شعیب بزمی


اہل بیت سے محبت کرنا عقیدۂ اہل سنت ہے۔ وہ شخص اہل سنت نہیں، جس کا دل محبت و مؤدتِ اہلِ بیت سے خالی ہے، اس کے اندر خارجیت نے ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ اہل سنت کی شناخت حُب وتکریم صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم ہے۔ یہ دونوں شاخیں مل کر حُب رسول ﷺ بنتی ہیں۔ محبت رسول ﷺ، محبت اہل بیت کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہ شخص جھوٹا ہے جو حضور ﷺ کی محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر اس کا دل محبتِ اہلِ بیت سے خالی ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ 1400 سال کی تاریخ اسلام میں ہمارے کل ائمہ کا طریق، مسلک ومشرب اہل بیت اطہار کی محبت میں یہی رہا ہے۔ اہل سنت کے چاروں ائمہ فقہ امام اعظم ابوحنیفہ، سیدنا امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی ہے۔ وہ شخص جو محبت و مؤدت اہل بیت میں کم ہے، کمزور ہے یا ناقص ہے، وہ نہ حنفی ہے، نہ مالکی، نہ شافعی اور نہ حنبلی ہے۔

آیئے اِن ائمہ فقہ کی محبتِ اہلِ بیت کے حوالے سے وارفتگی کے چند مظاہر کا مطالعہ کرتے ہیں:

## امام اعظمؒ اور محبتِ اہلِ بیت

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے زمانے میں جتنے ائمہ اہل بیت حیات تھے، آپ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد بنے۔ خود کو حنفی کہلانے والے امام اعظمؒ کی اہل بیت اطہار کے ساتھ محبت کو دیکھیں کہ حنفیت میں کتنی مؤدتِ اہل بیت موجود ہے۔

ا۔ امام ابن ابی حاتم، امام مزی (تہذیب الکمال)، امام ذہبی، علامہ عسقلانی، امام سیوطی اور دیگر ائمہ نے بیان کیا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے امام محمد الباقرؓ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے۔ امام اعظمؒ کے مناقب پر سب سے عظیم کتاب ''مناقب امام ابی حنیفہ'' (امام موفق بن احمد المکی) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ جب مدینہ گئے تو سیدنا امام محمد الباقرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

فَاِنَّ لَکَ عِنْدِی حُرْمَةً کَحُرْمَةِ جَدِّکَ ﷺ فِیْ حَیَاتِهٖ عَلٰی اَصْحَابِهٖ.

''آپ کی حرمت اور تعظیم وتکریم میرے اوپر اس طرح واجب ہے جس طرح صحابہ کرام پر تاجدار کائنات ﷺ کی تعظیم وتکریم واجب تھی''۔

یعنی جو تعظیم وتکریم صحابہ کرام آقا ﷺ کی کیا کرتے تھے، میں اسی طرح وہ تعظیم آپ کی کرتا ہوں چونکہ آپ کی حرمت و تعظیم اور محبت اور مؤدت میں مجھے

☆ خطاب نمبر:GC:72، CD#1519 تاریخ:4-12-2011، بمقام: مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن لاہور

حرمت و تعظیم اور مودّت و محبتِ مصطفیٰ ﷺ نظر آتی ہے۔

(المناقب للموفق المکی صفحہ ۱۶۸)

۲۔ حضرت امام اعظمؒ کو امام محمد جعفر الصادقؓ کے شاگرد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ امام ابن المکی ''مناقب ابوحنیفہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جب سیدنا امام جعفر الصادقؓ کوفہ تشریف لائے اور سیدنا امام ابوحنیفہ کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو آپ اپنے بہت سے اکابر تلامذہ کو لے کر سیدنا امام جعفر الصادقؓ کی خدمت میں زیارت و علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوئے۔ امام اعظمؒ آپ کی مجلس میں ادب و احترام سے پاؤں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ گھٹنوں کے بل بیٹھنے کا یہ خاص طریقہ کسی کا خوف، ہیبت اور کمال درجے کا ادب و احترام طاری ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ کے شاگردوں نے آپؒ کو اس طرح بیٹھے دیکھا تو سارے اسی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔

امام جعفر الصادقؓ نے جب دیکھا کہ سارے لوگوں نے اپنے بیٹھنے کا طریقِ نشست بدل لیا ہے اور اس شخص کی طرح سارے بیٹھ گئے ہیں تو آپ نے ان سے پوچھا یہ کون ہیں جن کی تم سب اتنی تعظیم و توقیر کر رہے ہو کہ جس طرح انہیں میرے سامنے بیٹھتے ہوئے دیکھا تم ساروں نے اپنی ہیئت اور طریقہ بدل لیا؟ انہوں نے کہا: یہ ''ہمارے استاد ابوحنیفہ ہیں''۔

یہ امام اعظم کی حضرت امام جعفر الصادقؓ کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔ بعد ازاں امام اعظمؒ نے امام جعفر الصادقؓ سے علمی و فکری استفادہ کیا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام حسن بن زیاد لولوی روایت کرتے ہیں:

سَمِعۡتُ اَبَا حَنِیۡفَهَ وَسُئِلَ مَنۡ اَفۡقَهَ مَنۡ رَأیۡتَ؟

امام ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ اس پوری روئے زمین پر جتنے اکابر ائمہ علماء کو آج تک آپ نے دیکھا سب سے زیادہ فقیہ کس کو پایا؟ آپ نے فرمایا:

مَارَأَیۡتُ اَفۡقَهَ مِنۡ جَعۡفَرِ بۡنِ مُحَمّد الصَّادِق.

''میں نے روئے زمین پر امام جعفر محمد الصادق سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا''۔

☆ علاوہ ازیں سیدنا امام اعظمؒ کو درج ذیل ائمہ اہل بیت اطہار کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا اعزاز حاصل ہوا:

۳۔ امام زید بن علی (یعنی امام زین العابدین کے بیٹے اور امام حسین کے پوتے)

۴۔ امام عبداللہ بن علی (یعنی امام زین العابدین کے بیٹے اور سیدنا امام حسین کے پوتے)

۵۔ امام عبداللہ بن حسن المثنیٰ (امام عبداللہ الکامل)

۶۔ امام حسن المثلث (امام حسن مجتبیٰ کے پڑپوتے)

۷۔ امام حسن بن زید بن امام حسن مجتبیٰ

۸۔ حسن بن محمد بن حنفیہ (سیدنا علی شیر خداؓ کے پوتے)

۹۔ امام جعفر بن تمام بن عباس بن عبدالمطلب (حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کے پوتے)

الغرض امام اعظمؒ کے زمانے میں اہل بیت اطہار کے نو اِمام حیات تھے اور آپ نے ہر ایک کے پاس جا کر زانوئے تلمذ طے کیا۔ ائمہ اطہار اہل بیت میں سے جو امام بھی بنو امیہ یا بنو عباس کی ظالمانہ حکومت یا کسی حکمران کے خلاف خروج کرتے، آپ خفیہ طور پر اپنے تلامذہ کے ذریعے بارہ/ بارہ ہزار درہم تک بطور نذرانہ ائمہ اطہار اہل بیت کی خدمت میں بھیجتے۔

آپ نے چیف جسٹس بننے کی حکمرانوں کی طرف سے دی جانے والی پیشکش کو قبول نہ کیا، اس کا بہانہ بنا کر آپ کو قید میں ڈال دیا گیا حتی کہ آپ کا جنازہ بھی قید خانے سے نکلا۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ نے چیف جسٹس بنا قبول نہیں کیا تو کیا یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ عمر بھر قید کی سزا دے دی جائے اور جنازہ بھی قید خانے سے نکلے؟ دراصل یہ حکمرانوں کا بہانہ تھا کہ ہمارا حکم نہیں مانا اور چیف جسٹس کا عہدہ قبول نہیں کیا۔ سبب یہ تھا کہ حکمران جانتے

تھے کہ امام ابوحنیفہؒ گھر بیٹھ کر اہل بیت کے ہر شہزادے کی خدمت کرتے ہیں، ان کے ساتھ محبت و مؤدت کا اظہار کرتے ہیں۔ لہذا ان کو محبت اہل بیت کی سزا دی جائے۔ پس آپ نے محبت اہل بیت میں شہادت پائی۔

## امام مالکؒ اور محبتِ اہلِ بیت

امام مالکؒ کو اہل بیت اطہار سے شدید محبت و مؤدت تھی۔ حضرت امام جعفر الصادقؓ جیسی ہستیوں کے پاس اگر کوئی مسئلہ پوچھنے جاتا تو فرماتے:

اِذْهَبْ اِلٰی مَالِک عِنْدَهٗ عِلْمُنَا.

''مالک کے پاس چلے جاؤ، ہم اہل بیت کا علم اس کے پاس ہے''۔

آپ کل ائمہ اہل بیت کے شاگرد تھے اور ان کی محبت و مودت میں فنا تھے۔ ایک طلاق کے مسئلے کو بہانہ بنا کر بنو عباس کے حکمرانوں نے ان کو محبت و مودتِ اہل بیت کی سزا دی۔ یہاں تک کہ ان کے سر اور داڑھی کو مونڈھ دیا اور سواری پر بٹھا کر مدینے کی گلیوں میں گھمایا اور حکم دیا کہ سب کو بتاؤ کہ میں امام مالک ہوں۔ آپ کہتے جاتے: جو مجھے پہچانتا ہے پہچان لے کہ میں کون ہوں اور جو مجھے اس حال میں دیکھ کر نہیں پہچان رہا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں۔ اس واقعہ کے بعد آپ 25 سال تک گھر میں گوشہ نشین ہوگئے اور باہر نہیں نکلے۔

یہ دور بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں کا تھا کہ جہاں ائمہ اہلبیت اطہار کا نام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ بنو عباس نے اہل بیت کے نام پر حکومت پر قبضہ کرلیا اور پھر چن چن کے ایک ایک اہل بیت کے امام اور اہل بیت کے محبّ کو شہید کیا۔ بنو عباس کا تعلق چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ تھا لہذا اس تعلق کی وجہ سے یہ ائمہ کرام ان سے بھی محبت کرتے۔ ان کے ایمان اور محبت و مودت کا عالم یہ تھا کہ بنو عباس اُن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے مگر یہ حضور ﷺ کے خاندان کے ساتھ اُن کو حاصل نسبت کی وجہ سے معاف کردیتے۔

امام مالکؒ کو عباسی خلیفہ جعفر بن سلیمان عباسی کے حکم پر جب کوڑے مارے جاتے تو آپ بے ہوش ہوجاتے، جب ہوش آتا تو کہتے:

**اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَاللّٰه مَاارْتَفَعَ مِنْهَا سَوْطٌ عَنْ جِسْمِیْ اِلَّا وَاَنَا اجعله فِیْ حِلٍّ من ذٰلِکَ الْوَقْت لقرابته من رسول اللّٰهؐ.**

لوگو گواہ ہوجاؤ! باری تعالٰی میں نے کوڑے مارنے اور مروانے والے کو معاف کردیا۔ جوں ہی ہوش آتا؟ پہلا جملہ یہی بولتے کہ میں نے معاف کردیا، پھر کوڑے لگتے، پھر کوڑے کھا کھا کر بے ہوش ہوجاتے۔ مگر ہوش میں آتے ہی انہیں معاف کردیتے۔

ذرا سوچئے! ان ائمہ کرام کے ہاں مودت، محبت، نسبت اور حرمت اہل بیت کا کیا عالم تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ اتنا بڑا ظلم آپ کی ذات کے ساتھ ہوا مگر آپ جوں ہی ہوش میں آتے تو کہتے کہ معاف کردیا، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: مجھے لگ رہا تھا کہ شاید کوڑے کھاتے کھاتے میں مرجاؤں گا۔ ساتھ ہی ساتھ معاف اس لئے کرتا جارہا ہوں کہ بے شک مجھ پر ظلم ہورہا ہے مگر یہ لوگ حضور ﷺ کے چچا کے خاندان میں سے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن میری وجہ سے میرے آقا ﷺ کے چچا کے خاندان کا کوئی فرد دوزخ میں جائے۔ بے شک اس نے ظلم ہی کیوں نہ کیا ہو مگر میں اس کا سبب نہ بنوں۔ اس لئے ہوش میں آتے ہی ساتھ ہی ساتھ معاف کرتا جاتا ہوں۔

اس قدر ظلم و ستم کے باوجود حضور ﷺ کے خانوادے کے ساتھ حیاء کا تعلق برقرار رکھا۔ یہ عقیدۂ اہل سنت والجماعت ہے۔

## امام شافعیؒ اور محبتِ اہلِ بیت

امام شافعی پر اہل بیت کی محبت و مؤدت کی وجہ سے ملاؤں نے شیعہ اور رافضی ہونے کے فتوے اور تہمت لگائی۔ یاد رہے کہ چاروں ائمہ فقہ کی فطرت میں محبت اور مودت اہل بیت تھی، ان کے علم اور ایمان کا خمیر محبت اور مودت اہل بیت سے اٹھا تھا۔ امام شافعی نے اپنے دیوان میں ایک رباعی لکھی:

يَا آلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرْآنِ اَنْزَلَهٗ

''اے اہل بیت رسول تمہاری محبت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرض کردی ہے اور اس کا حکم قرآن میں نازل ہوا ہے''۔

يَكْفِيْكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْفَخْرِ اَنَّكُمْ
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَاةَ لَهٗ

''اے اہل بیت تمہاری عظمت اور تمہاری شان اور تمہاری مکانت کی بلندی کے لئے اتنی دلیل کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی''۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّيْ رَافِضٌ

''اگر آل محمد سے محبت کرنے کا نام رافضی/ شیعہ ہوجانا ہے تو سارا جہان جان لے کہ میں شیعہ ہوں''۔

## امام احمد بن حنبلؒ اور محبتِ اہلِ بیت

امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ آپ یزید کے بارے میں کیا حکم کرتے ہیں؟ انہوں نے جو فتویٰ دیا آفاقِ عالم میں آج تک اس کی آواز گونجتی ہے، فرمایا:

میرے نزدیک یزید کافر ہے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اس کو روایت کیا اور کثیر کتب میں آج تک بلااختلاف امام احمد بن حنبل کی تکفیر کا فتویٰ یزید پر آج تک قائم ہے۔ آپ کی مودت اور محبت بھی اہل بیت کے ساتھ لاجواب تھی۔

ان ساری باتوں کو کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ اہل سنت کہلاتے ہیں تو محبت و مؤدت اہل بیت سے گھبراتے کیوں ہیں۔ اس لئے کہ بعض خارجی الذہن لوگ، بعض فتنہ پرور شرپسند آپ کو شیعہ کہہ دیں گے، کسی کے شیعہ کہہ دینے سے کیا آپ شیعہ ہوجائیں گے؟ کوئی کسی کو کہہ دے کہ تم ہندو ہوگئے تو کیا صرف اتنا کہنے سے وہ ہندو ہوجائے گا؟ کئی ہندو شعراء نے نعتیں لکھی ہیں، کوئی کہہ دے کہ وہ مسلمان ہوگئے، تو کیا اتنا کہنے سے وہ مسلمان ہوگئے؟

یہ کچھ فتنہ پرور ملا ہیں جن کا ایجنڈا خارجیت کو فروغ دینا ہے، جن کا ایجنڈا محبت و ادبِ رسول ﷺ اور محبت آل بیتؑ کو ختم کرنا ہے۔ اگر وہ اہل بیت کے ذکر اور ذکر حسین کا طعنہ دیتے ہیں اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ تم شیعہ ہوگئے تو ان کے پروپیگنڈہ پر لعنت ہوگی، قیامت کے دن مواخذہ ہوگا، کسی کے پروپیگنڈے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ محبت کی نسبت اور اہل بیت کے ساتھ تعلق کی پختگی میں ہمارا ایمان اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ کسی کے پروپیگنڈہ کے ڈر سے چپ کرکے بیٹھ جائیں اور مصطفیٰ ﷺ کی اولاد کے ذکر کو چھوڑ دیں۔ جب امام مالک نے کوڑے کھا کر ان کی محبت کی راہ نہیں چھوڑی۔۔۔ امام اعظم کا جنازہ جیل سے اٹھا مگر مودت نہیں چھوڑی۔۔۔ امام شافعی پر رافضی/ شیعہ ہونے کی تہمت لگی مگر مودت نہیں چھوڑی۔۔۔ امام احمد بن حنبل نے کوڑے کھائے فتوی دیا، محبت نہیں چھوڑی۔۔۔ تو پھر ہم کیوں اہل سنت والجماعت کا اپنا طریق چھوڑتے ہیں۔ کل اولیاء، ابدال، قطب، غوث اور ولی محبتِ و مؤدتِ اہل بیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوئی ولی مرتبہ ولایت کو نہیں پہنچتا جب تک اس کی ولایت کو سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراؓ کی توثیق نہیں ملتی۔۔۔ کوئی ولی شان ولایت کو نہیں پاتا جب

تک مولا علی شیر خدا کی مہر نہیں لگتی کیونکہ وہ فاتح الولایت اور امام ولایت ہیں۔

سلسلہ قادریہ بھی آگے چل کر امام علی رضا کے ساتھ ملتا ہے۔ امام معروف کرخی، امام علی رضا کے ہاتھ پر توبہ کرکے ان کے مرید اور خلیفہ ہوئے ہیں۔ یہ طریق ولایت ائمہ اطہار اہل بیت کے ذریعے امام علی رضا، امام موسیٰ کاظم سے ہوتا ہوا امام جعفر صادق تک جاتا ہے۔ الغرض ولایت حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر کی خیرات ہے۔ اگر آپ طعنوں سے ڈرتے ہیں تو پھر آپ اہل سنت والجماعت نہیں ہیں۔ محبت اور مودت اہل بیت کو اپنے اندر زندہ کریں۔ یہ صرف اہل تشیع کا شعار نہیں ہے بلکہ یہ اہل سنت کا بھی ایمان ہے، کل امت کا ایمان ہے۔ کوئی بھی مکتب فکر ہو، خواہ شیعہ ہو یا سنی ہو، جس کی نسبت تاجدار کائنات ﷺ کے ساتھ ہے، جو صاحب ایمان ہے وہ آقا ﷺ کی اہلبیت کے ساتھ محبت کئے بغیر مومن رہ ہی نہیں سکتا۔

## ذکرِ حسینؓ بزبانِ مصطفیٰ ﷺ

آیئے اب جامع ترمذی سے محبت اہل بیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر جامع ترمذی میں موجود احادیث پر بھی شیعیت کی تہمت لگانی ہے تو اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرنا چھوڑ دیں اور پھر ان خارجیوں، دشمنان اہل بیت اور دہشتگردوں کے پیچھے لگ جائیں۔ افسوس! سنی علماء ان تہمتوں کے ڈر سے اہل بیت کی محبت اور ذکر حسینؓ سے بھاگے جارہے ہیں۔ اپنی صدیوں کے طریقے اور مسلک سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ہمارے ائمہ کی کتب حدیث اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی تھیں جب تک حسن و حسینؓ کے تذکرے نہ کرلیں۔

☆ جامع ترمذی میں امام ترمذی حسنین کریمینؓ کے جنتی نوجوانوں کے سردار ہونے کی حدیث روایت کرتے ہیں۔۔۔ کسی جگہ آپ ﷺ کا حسنین کریمین کو اپنے سینے پر لٹانے۔۔۔ انہیں سونگھنے۔۔۔ ساتھ چمٹانے اور چادر میں چھپانے کی حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔۔۔ کسی جگہ یہ روایت کرتے ہیں کہ آقا ﷺ نے حسنین کریمین کو اپنا بیٹا قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ تو بھی ان سے محبت کر بلکہ ان کے چاہنے والوں سے بھی محبت کر۔۔۔ امام ترمذی اس روایت کو بھی بیان کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے حسنین کریمین کو اپنا پھول قرار دیا۔۔۔ حتی کہ خطبہ جمعہ کے دوران حسنین کریمین کے صغر سنی کی وجہ سے لڑکھڑا کر گرنے کے خدشہ کے پیش نظر انہیں حضور ﷺ کا آگے بڑھ کر تھامنے اور پھر حضور ﷺ کا خطبہ جمعہ میں حسنین کریمین کی اس کیفیت کو خود بیان کرنے کی روایت کا ذکر بھی جامع ترمذی میں موجود ہے۔۔۔ کسی جگہ آقا ﷺ کا حسنین کریمینؓ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر مدینہ کی گلیوں میں چلنے کا ذکر موجود ہے۔

دراصل اس تمام اظہار سے آقا ﷺ امت کو دکھانا چاہتے ہیں کہ میرا حسنؓ و حسینؓ سے اس قدر پیار ہے، لہٰذا تم بھی اتنا پیار کرنا۔ افسوس! حسنین کریمین کے ساتھ حضور ﷺ کے اس پیار کا بھی آج ہمیں حیاء نہ رہا۔۔۔ حضور کی ان شفقتوں کا بھی حیاء نہ رہا۔۔۔ جنہوں نے حیا نہ کیا وہ تو بدبخت ہوئے، ان کا حشر تو جو ہوا سو ہوا، مگر ہم ان کے پیار سے پیچھے ہٹ جائیں تو ہم کیسے وفادار امتی رہیں گے؟ اگر خطبہ جمعہ میں آقا ﷺ حسنین کریمین کے لڑکھڑانے، چلنے، سنبھلنے اور اٹھانے کا ذکر فرمارہے ہیں تو ہم عام مجلس میں ان کا ذکر کیوں نہ کریں۔ اگر آقا ﷺ کو ان کا لڑکھڑا کر گرنا برداشت نہیں ہوا تو ان کے سر کا کٹ کر نیزے پر چڑھنا کیسے برداشت ہوا ہوگا۔۔۔ گھوڑوں کی ٹاپوں میں ان کا روندھا جانا کیسے برداشت ہوا ہوگا۔

☆ الغرض امام ترمذی ایک سے بڑھ کر ایک فرمان رسول ﷺ، حسنین کریمین کے حوالے سے روایت کرتے

چلے آرہے ہیں، اس سے ان کے عقائد کا اظہار ہورہا ہے۔ ان احادیث کا چناؤ ان کے مذہب کی شناخت کا اظہار ہے۔ اس سے ان کے عقیدے کا پتہ چلتا ہے، ان کے رجحان طبع کا پتہ چلتا ہے، ان کے ذوق ایمانی کی خبر ہوتی ہے۔ (ان تمام احادیث کے مطالعہ کے لئے شیخ الاسلام کی کتاب "الاربعین: مرج البحرین فی مناقب الحسنین" کا مطالعہ فرمائیں)

## اَنَا مِنْ حُسَيْن

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ.

''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے۔ حسین امتوں میں سے ایک امت ہے''۔

اس حدیث مبارکہ میں مذکور حُسَيْنُ مِنِّیْ کی سمجھ آتی ہے، اس لئے کہ پوتا، دادا سے ہوتا ہے۔۔۔ نواسا، نانا سے ہوتا ہے۔۔۔ بیٹا، باپ سے ہوتا ہے۔۔۔ جزء، کل سے ہوتا ہے، حسین منی کا معنی یہ ہے کہ میں حسین کا مصدر ہوں۔ حسین، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ یہ معنی تو واضح ہے۔ مگر اَنَا مِنْ حُسَيْن ''میں حسین سے ہوں''، اس کا معنی کیا ہے؟

انا من حسین یہ ہے کہ میرا مظہر، حسینؓ ہے۔ حسینؓ کا صدور مجھ سے ہوا ہے مگر میرا ظہور، حسینؓ سے ہوگا۔۔۔ میں حسینؓ کی اصل ہوں اور وہ میری وہ فرع ہے جس سے درخت کا اصل پھل لگتا ہے۔۔۔ جو میرا پھل کھانا چاہے وہ شاخ حسینؓ سے لے، میرا پھل حسینؓ پہ لگے گا۔۔۔ حسینؓ کے سارے کمالات، کرامات، عظمتیں، رفعتیں اور ساری شانیں مجھ سے ہیں، میرا انعکاس ہیں، اس کو جو کچھ ملا مجھ سے ملا۔۔۔ اور میرے کئی کمالات ابھی ایسے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں ہوئے وہ حسینؓ سے ظاہر ہوں گے۔۔۔ اگر وہ صبر کا پہاڑ ہوگا تو مجھ سے ہے۔۔۔ اگر حسینؓ استقامت کا پہاڑ ہوگا تو مجھ سے ہے۔۔۔ اگر حسینؓ رضا، تفویض اور توکل کا پہاڑ ہوگا تو مجھ سے ہے۔۔۔ اگر حسینؓ ناقابل شکست ہوگا تو وہ مجھ سے ہے۔۔۔ اگر حسینؓ عزم مصمم ہوگا تو وہ مجھ سے ہے۔۔۔ اگر حسینؓ حیاء، شرم، طہارت اور وفا کا پیکر ہوگا تو مجھ سے ہے۔۔۔ حسینؓ کا سب کچھ مجھ سے ہے مگر میرا ایک کمال ابھی ایسا ہے جو میری زندگی میں میرے جسم پر ظاہر نہیں ہوسکتا اور وہ شہادت ہے اس کو اللہ نے ملتوی کر رکھا ہے۔ میری شہادت کا ظہور کربلا میں حسینؓ کے ذریعے ہوگا۔۔۔ جس دن حسینؓ شہید ہوگا، دیکھنے میں وہ شہادت حسینؓ ہوگی مگر حقیقت میں وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا باب مکمل ہوا ہے۔ میرے بعض کمالات کا اور میری شان شہادت کا ظہور جسم حسینؓ کے ذریعے ہوگا۔ جو ظلم وستم تم جسمِ حسینؓ پر کرو گے گویا وہ سلوک تم حسینؓ سے نہیں بلکہ مجھ سے کرو گے۔

شہادت حسینؓ کو نیچا کرنے والو! اس سے حسینؓ کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ تمہارا ایمان برباد ہوگا۔ حسینؓ کی شہادت حسینؓ کی نہیں بلکہ وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔ باب سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکمیل اور ظہور ہے۔ لہذا حسینؓ میں مجھ کو دیکھنا۔ پس جو حسینؓ میں انا من حسین کو دیکھتے ہیں وہ آج تک حسین حسین کرتے ہیں۔

میں محبت حسینؓ کا دعویٰ نہیں کرسکتا، میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ امام حسینؓ میں آپ کا سگ ہوجاؤں تو یہ بھی میری عبادت ہے۔ امام حسینؓ مجھے اپنا سگ قبول کرلیں تو میرا بیڑا پار ہوجائے، محبت کرنا تو اور اونچی بات ہے۔ اس دورِ خارجیت میں جب اہلِ بیتِ اطہار پر حملے ہوتے ہیں، ہم جان کی پرواہ کئے بغیر اور تہمتوں کی پرواہ کئے بغیر سینہ سپر ہوکر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور امام حسینؓ کی عزت

کے محافظ بن کے پھر رہے ہیں۔ ہم ان کی محبت اور مودت کے ڈنکے سرعام بجاتے ہیں۔

## امام حسینؓ تنہا ایک امت ہیں:

اس حدیث میں مزید فرمایا:

حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاط.

قاضی عیاض، صاحب تحفۃ الاحوزی (عبدالسلام مبارک پوری) اہل لغت اور دیگر ائمہ نے لکھا کہ ''سبطؒ'' کی جمع ''اسباط'' ہے اور اس سے مراد قوم اور امت ہے۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ لوگو! حسینؓ کو تنہا ایک فرد نہ سمجھنا، یہ ایک فرد نہیں ہے بلکہ یہ امتوں میں سے ایک امت ہے۔ حسین تنہا ایک امت ہے۔ امام ابن الاثیر ''النہایۃ'' (غریب الحدیث، حدیث کے غریب الفاظ کے معنی پر معتبر اور معتمد ترین کتاب) میں فرماتے ہیں کہ

اُمَّةٌ مِنَ الْاُمَمِ فِی الْخَیْر.

''خیر کے باب میں امام حسینؓ امتوں میں سے ایک امت ہیں''۔

لوگوں کو یہ فکر ہے کہ 1400 سال گزر گئے شہادت امام حسین کا ذکر ختم ہونے کو نہیں آتا حالانکہ اور شہادتیں بھی ہوئی ہیں۔ جو لوگ نابینا ہیں، جنہیں اللہ نے شعور ایمانی نہیں دیا، جن کو معرفت وجدانی نصیب نہیں ہوئی، جن کو احادیث و فرامین نبوی ﷺ کی معرفت نہیں، وہ سوچتے ہیں کہ بڑی شہادتیں ہوئیں، ایک حسین ہی کی شہادت کا ذکر کیوں؟

مختصر جواب میرے آقا ﷺ نے خود دے دیا کہ جتنی شہادتیں ہوئیں وہ اسی ایک ہستی کی شہادت تھی، جس کی شہادت ہوئی، وہ شہادت عظیم تھی مگر اسی مقدس ہستی ہی کی تھی جبکہ امام حسینؓ کی شہادت ایک فرد کی نہیں بلکہ پوری امت کی شہادت ہے۔ امام حسینؓ اگر ایک فرد ہوتے تو شاید ان کی شہادت کا ذکر بھی عام شہادتوں کی طرح ہوتا مگر امام حسینؓ خود ایک امت میں بدل گئے ہیں۔ اب جس طرح آقا ﷺ کی امت قیامت تک ختم نہیں ہوسکتی اسی طرح امام حسینؓ کا ذکر قیامت تک ختم نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اب امام حسینؓ ایک فرد نہیں رہے بلکہ وہ پوری امت بن گئے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

آقا ﷺ نے حسینؓ کو اجتماعی تسلسل دے دیا۔۔۔ حسینؑ کو حیات دائمی دے دی ۔۔۔ آقا ﷺ نے ذکر حسینؓ کو اجتماعیت دے دی۔

حسین جیتیں گے آخر، یزید ہارے گا
جناں سے آئی ہیں زینب یہ فیصلہ لے کر

سیدہ زینبؓ جنت سے یہ فیصلہ اللہ کی بارگاہ سے لے کر آئی ہیں اور دمشق کے منبر پر سنا رہی ہیں، مدینہ کی گلیوں میں سنا رہی ہیں، بدبخت یزید کے دربار میں سنا رہی ہیں، سر بازار سنا رہی ہیں کہ حسینؓ جیتیں گے آخر یزید ہارے گا۔ لوگو! ہمارے سر قلم کرکے یہ نہ سمجھنا کہ حسینؓ شہید ہوگیا، خانوادۂ رسول ﷺ شکست کھا گیا اور یزید جیت گیا۔ نہیں یہ نہیں ہے بلکہ یزید ہارے گا۔ آج امام حسینؓ کا نام ہر آئے روز فروغ پاتا جارہا ہے اور یزید بدبخت کا نام و نشان نہیں ملتا۔ یزید کی قبر اور امام حسینؓ کی قبر کا موازنہ کرلو! امام حسینؓ کی قبر کے حسن پر عرش بھی رشک کرتا ہے جبکہ دمشق میں باب الصغیر میں یزید کی قبر کوڑا کرکٹ کی جگہ ہے کیونکہ وہ ہار گیا۔

آقا علیہ السلام نے امام حسینؓ کو ایک امت کی مانند کہا۔ امت کا اشارہ کثرت کی طرف ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک غیبی مستقبل کی خبر بھی دے دی کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ کربلا میں سارا خانوادہ ختم کردیا، صرف ایک زین العابدین زندہ رہ گئے۔ یہ نہ سمجھنا کہ ایک بیٹے سے نسل کتنی آگے بڑھ سکتی ہے۔ سن لو! هُوَ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاط ۔۔۔ ایک

زین العابدین سے پوری امت نکلے گی۔ آج یزید کی نسل کٹ گئی اور امام حسینؓ کے زین العابدینؓ کی نسل ساری دنیا میں پھیل گئی کیونکہ حضور ﷺ نے امام حسینؓ کو امت بنا دیا۔

امام حسینؓ کی شہادت سیرت محمدی ﷺ کا ایک باب ہے۔ جس طرح سیرت محمدی ﷺ کو تسلسل و دوام ہے کبھی انقطاع و اختتام نہیں ہوگا، اسی طرح ذکر حسینؓ، ذکرِ عظمت حسینؓ اور پیغام حسینؓ کو دوام ہے، کبھی اختتام نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ شہادتیں بہت تھیں مگر کسی شہادت کا ذکر میرے آقا ﷺ نے نہیں کیا، ذکر شہادت حسینؓ کرنا خود سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔

## سنِ شہادت اور قاتلوں کی نشاندہی

ہم ذکرِ امام حسین کی محافل سجا کر سنت رسول ﷺ ادا کر رہے ہیں۔اس لئے کہ ابھی شہادتِ حسین کو 57/58 سال باقی تھے مگر حضور ﷺ نے کربلا تک کا ذکر امت کو بتا گئے۔ حتی کہ سنِ شہادت کی بھی نشاندہی فرما دی، قاتلوں تک کا بھی بتا دیا کہ کون ہوں گے؟

بنو امیہ کا وہ دور اہل بیت کی عداوت پر مبنی تھا۔ بنو امیہ کے تیار کئے ہوئے سرکاری مولوی و ملا اور حکمرانوں کے خاندانوں کے چھوٹے چھوٹے عیاش لونڈے مولا علی شیر خدا کو گالیاں دیتے اور گالیاں نکلواتے اور یہ تمام حقائق ہماری صحیح مسلم میں موجود ہیں۔ ''لونڈے'' کا یہ لفظ میں نے نہیں بولا بلکہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اس عنوان سے درج ذیل باب قائم کیا ہے اور یہ فرمان رسول ہے:

هَلَاکُ اُمَّتِیْ عَلٰی یَدَیْه اُغَیْلِمَةٍ سُفُهآء.

''بنو امیہ کے بیوقوف لونڈوں کے ہاتھوں میری امت کی ہلاکت ہوگی''۔

اس میں شہادت امام حسین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں حضرت ابوہریرہؓ گلیوں میں چلتے پھرتے باآواز بلند توبہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اِمَارَةِ الصِّبْیَانِ وَمِنْ رَأسِ سِتِّیْن.

''اے اللہ میں چھوٹے لونڈوں کے حکمران بننے اور سن 60 ہجری کے شروع ہونے سے پناہ مانگتا ہوں''۔

نہ صرف خود بلکہ لوگوں کو بھی کہتے کہ

تَعَوَّذُ بِاللّٰهِ مِنْ سَنَة سِتِّیْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْیَان.

''لوگو 60 ہجری کے آنے سے اور لونڈوں کے حکمران بن جانے سے اللہ کی پناہ مانگو''۔

60 ہجری میں وہ کون سا لونڈہ تھا جو حکمران بنا؟

اس حدیث کو امام سیوطی نے الجامع الکبیر میں روایت کیا۔ امام ہندی نے کنزالعمال میں روایت کیا۔ امام سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں روایت کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں روایت کیا اور بے شمار ائمہ، محدثین اور کتب میں اس کا مستقل تذکرہ آتا ہے۔ آج اگر میں یہ بات کروں یا کوئی اور اس طرح کی بات کرے تو اسے شیعہ ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو خدا کا خوف کرنا چاہئے، انہیں شرم اور حیا ہونی چاہئے۔ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ

وَقَدْ کَانَ اَبُوْهُرَیْرَه یکنی عن بعضه ولا یصرح به خَوْفًا عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْهُمْ.

(کتاب الایمان قوله باب حفظ العلم ج۱، ص۲۱۶)

حضرت ابوہریرہؓ بنو امیہ کے حکمرانوں اور ان کے متشدد جابر قسم کے لوگوں کے ظلم اور جبر کے خوف سے اُن کا نام نہیں لیتے تھے مگر اشارہ کرتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ

وَیُشِیْرُ اِلٰی خِلَافَةِ یَزِیْدِ ابْنِ مُعَاوِیَه.

''حضرت ابوہریرہ (یہ کہتے ہوئے) یزید بن معاویہ کی حکومت کی طرف اشارہ کرتے''۔

لِاَنَّهَا کَانَتْ سَنَة سِتِّیْنَ مِنَ الْهِجْرَة .

”کیونکہ 60 ہجری میں اس کا دورِ حکومت شروع ہوا“۔

پس یزید پہلا چھوکرا تھا، لونڈہ تھا، غنڈہ تھا، جابر تھا، دہشت گرد تھا، خائن تھا، حضور ﷺ کے دین کی قدروں کو پامال کرنے والا تھا، اہل بیت اطہار کا خون بہانے والا تھا، حرمت رسول کا دشمن تھا، حرمت کعبہ کا دشمن تھا، حرمت مدینہ کا دشمن تھا۔

امام حجر عسقلانی مزید لکھتے ہیں:

**وَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَا اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَمَاتَ قَبْلَهَا بِسَنَةٍ.**

”اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور 59 ہجری میں (60ہجری کے شروع ہونے سے ایک سال پہلے) آپؓ وفات پاگئے“۔

## مقامِ شہادت کی نشاندہی

امام حسینؓ کے مقام شہادت تک کی خبر مصطفی ﷺ نے بتادی۔ یہ تمام باتیں ترمذی شریف سے بیان کررہا ہوں۔ چھوٹے درجے کی کتب حدیث سے بیان نہیں کررہا۔ یہ بھی مغالطے ہیں کہ شہادت امام حسین کے واقعات مستند کتب میں بیان نہیں ہوئے۔ میں کوئی تاریخ کی کتابوں طبرانی، ابن عساکر، البدایہ والنہایہ، ابن الاثیر، تاریخ الاسلام سے حوالے نہیں دے رہا بلکہ جامع ترمذی سے شہادت حسین کا ذکر کررہا ہوں۔ ہم شہادت حسین کی بات کریں اور اس کا تذکرہ اتنا والہانہ کریں تو ہم پر تشیع کا الزام لگتا ہے۔ ظالموں اور جاہلوں اس روش سے باز آجاؤ۔ پوری صحاح ستہ میں جابجا یہ واقعات مذکور ہیں۔ امام ترمذی، امام بخاری کے شاگرد بھی ہیں اور ایک حدیث میں امام بخاری کے شیخ بھی ہیں۔

☆ حضرت سلمٰی سے روایت ہے فرماتی ہیں:

**دَخَلْتُ عَلَی أُمِّ سَلَمَةَ وَهِيَ تَبْکِي فَقُلْتُ مَا یُبْکِیکِ قَالَتْ رَأَیْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَعْنِي فِي الْمَنَامِ وَعَلَی رَأْسِهِ وَلِحْیَتِهِ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَا لَکَ یَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَیْنِ آنِفًا.**

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، الرقم: ۳۷۸۰)

”میں حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، وہ رو رہی تھیں، میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ کی داڑھی مبارک اور سر انور گرد آلود تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میں ابھی حسین ؓ کی شہادت میں شریک ہوا ہوں (میرا بیٹا حسین شہید ہوگیا ہے)“۔

ثابت ہوا کہ ۱۰ محرم الحرام کے دن تاجدار کائنات ﷺ میدان کربلا میں تھے اور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ حسین ظاہری حیات میں تجھے میں نے کندھوں پر اٹھایا اور اپنی زبان چسائی، آج میری محبتوں اور شفقتوں کی لاج رکھ لینا۔ تجھے پالا اس لئے تھا کہ کربلا کے دن تو استقامت کا پہاڑ بن جائے۔

امام ترمذی جیسے ہمارے اماموں نے شہادت امام حسین کا ذکر اس جامع ترمذی میں کتنا کیا ہے ہے کوئی پڑھ کر تو دیکھے۔ اگر پڑھتے تو خارجیت کی گرد آپ پر نہ پڑتی، یہ کیفیت نہ ہوتی اور محبت اہل بیت سے اتنا کٹ نہ جاتے۔

☆ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

**کُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِیَادٍ فَجِيءَ بِرَأْسِ الْحُسَیْنِ فَجَعَلَ یَقُولُ بِقَضِیبٍ لَهُ فِي أَنْفِهِ وَیَقُولُ مَا رَأَیْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا قَالَ قُلْتُ أَمَا إِنَّهُ کَانَ مِنْ أَشْبَهِهِمْ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ .**

”میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا کہ حضرت امام حسین ؓ کا سرانور لایا گیا تو وہ ایک چھڑی سے آپ کی ناک پر مارنے لگا اور کہا میں نے ان جیسا حسن نہیں دیکھا۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں میں نے کہا وہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضور نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مشابہ تھے“۔

بعض لوگ آج ان واقعات کو من گھڑت کہتے

ہیں، اس لئے کہ کسی ملا نے جو کہہ دیا، وہی آگے پھیلتا رہا۔ جس کی زبان جتنی لمبی ہے اس نے اتنا لوگوں کو ورغلایا۔ نتیجتاً لوگ اس قسم کے واقعات کو کہ شہادت ہونے کے بعد سر کٹے، نیزوں پر دربار ابن زیاد لائے گئے، یزید کے پاس دمشق لائے گئے، کہتے ہیں کہ یہ سارے من گھڑت قصے ہیں، یہ تاریخ کی کتابیں ہیں، شیعہ راویوں نے گھڑی ہیں۔ ارے بدبختو! اہل بیت سے اتنا بغض اور رسول پاک ﷺ کے شہزادوں سے اتنی عداوت کہ جو ظلم و جبر ہوئے ان کا صرف یزید کو تحفظ دینے کے لئے انکار کردو۔ یاد رکھو! یہ شیعہ راویوں کی بنائی ہوئی باتیں نہیں اور نہ تاریخ کی کمزور روایتیں ہیں بلکہ جامع ترمذی کتاب المناقب کی حدیث ہے اور اس طرح بے شمار کتب حدیث میں اس طرح کے واقعات روایت ہوئے ہیں۔ حتی کہ اس کو امام بخاری نے بھی صحیح البخاری میں روایت کیا ہے۔

ابن زیاد کا نام عبیداللہ بن زیاد بن ابی سفیان ہے۔ یہ یزید کا چچا زاد بھائی تھا۔ کیا امام حسینؓ کے سر انور کے ساتھ یہ سلوک اور چھڑی سے ناپاک جسارت کرنے والے کو ابھی بھی مسلمان سمجھا جائے؟ کئی لوگ ہیں جو ان کے مسلمان ہونے کی باتیں کرتے ہیں، ان کے کفر میں تامل کرتے ہیں اور ان کے بارے میں بین بین قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں قیامت کے دن کھل جائیں گی۔ خدا کی قسم سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے روز قیامت جسے چن چن کر کہہ دیا کہ یہ جنت نہیں جاسکتا تو وہ قطعاً جنت نہیں جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ جنت کی مالکہ ہوں گی، وہی جنت میں جائے گا جس کو اجازت سیدہ کائنات، حسنین کریمین، حضور ﷺ کی اہل بیت اور میرے مصطفی ﷺ کی رضا ملے گی۔

## قاتلین حسین کا انجام

امام حسینؓ کے حوالے سے پے در پے احادیث روایت کرنے سے امام ترمذی کے عقیدے کا اندازہ ہورہا ہے۔ آپ خود تعین کرلیں کہ عقیدہ کیا ہے۔ ایک حدیث کو چننا اور اس کے بعد اگلی حدیث کو لاکر پڑھنے والے کی ذہن سازی کررہے ہیں اور محبت اہل بیت کے حوالے سے اپنا عقیدہ بیان کررہے ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث مبارکہ کو بیان کرنے کے بعد قاتلین حسین کے انجام کی روایت کو بھی بیان کیا۔ اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ جب 66 یا 67 ہجری میں واقعہ کربلا کے 7 سال بعد بدلہ لیا گیا۔ ابن زیاد نے بغاوت کی تو مختار بن ابوعبیدہ ثقفی جو ان دنوں امیر تھا اس نے ابراہیم بن اشتر کی قیادت میں لشکر بھیجا کہ ابن زیاد کو قتل کرو اور اس کے سارے ساتھیوں کو بھی قتل کردو۔ پس مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کی امارت میں ابن زیاد اور اس کے پورے لشکر کو ابراہیم بن الاشتر نے قتل کیا۔ قتل کرکے تمام قاتلینِ امام حسینؓ کے سر مختار ثقفی کے دربار میں بھیجے گئے جیسے یزید کے دربار میں گئے تھے۔ اس نے وہ سر مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس بھیجے۔ انہوں نے امام زین العابدین کے پاس بھیجے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں انہیں نہیں دیکھنا چاہتا، یہ ہمارا منصب نہیں ہے۔ انہوں نے محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ تب یہ تمام سر واپس مکہ بھیجے گئے۔ ابراہیم بن اشتر نے وہ تمام سر جلاکر راکھ کردیئے۔ یہ تمام واقعہ کربلا کے چھ یا سات سال بعد ہوا۔

جب یہ تمام سر مکہ معظّمہ میں اکٹھے کئے گئے تو وہاں ایک واقعہ پیش آیا جسے امام ترمذی بیان کرتے ہیں۔ عمارہ بن عمیر سے روایت ہے:

لَمَّا جِيءَ بِرَأْسِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ زِيَادٍ وَأَصْحَابِهِ نُضِّدَتْ فِي الْمَسْجِدِ فِي الرَّحَبَةِ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِمْ وَهُمْ يَقُولُونَ قَدْ جَاءَ تْ قَدْ جَاءَتْ فَإِذَا حَيَّةٌ قَدْ جَاءَتْ تَخَلَّلُ الرُّءُوسَ حَتَّى دَخَلَتْ فِي مَنْخَرَيْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ زِيَادٍ فَمَكَثَتْ هُنَيْهَةً ثُمَّ خَرَجَتْ فَذَهَبَتْ حَتَّى

تَـغَيَّبَتْ ثُمَّ قَالُوا قَدْ جَاءَتْ قَدْ جَاءَتْ فَفَعَلَتْ ذٰلِکَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

’’جب عبید اللہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر مسجد کے صحن میں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر رکھے گئے تو میں ان کے پاس گیا، لوگ کہہ رہے تھے: آ گیا آ گیا۔ اچانک دیکھا کہ ایک سانپ آیا، وہ ان سروں کے درمیان سے نکلتا ہوا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوگیا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر چلا گیا یہاں تک کہ غائب ہوگیا۔ لوگوں نے پھر کہا: آ گیا آ گیا۔ دو یا تین مرتبہ اس نے اس طرح کیا۔ (یعنی ہر مرتبہ ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا، کچھ دیر اس کو اندر ڈسا اور پھر باہر نکل کر غائب ہوگیا) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔‘‘

گویا ابن زیاد کے امام حسینؓ کے نتھنوں کے ساتھ ہتک آمیز سلوک کا بدلہ سانپ نے لیا۔

میں کسی تاریخ کی کتاب سے یہ واقعہ نہیں بیان کررہا بلکہ یہ جامع ترمذی کی حدیث ہے۔ نیز یہ حدیث ضعیف بھی نہیں ہے، بلکہ صحیح سے بھی اونچے درجے کی ہے یعنی حسن صحیح ہے۔ اس کے کئی طرق صحیح ہیں، کئی طرق حسن ہیں۔ دوہرے درجے کی کمال ثقاہت وصحت کی حدیث ہے۔

## آقاؐ کے کندھوں کی سواری کی لاج رکھ لی

سرِ امام حسینؓ کو نیزے پر چڑھا کر دمشق پہنچایا گیا۔ اس کا اشارہ بھی میرے آقا ﷺ دے گئے تھے۔ آقا ﷺ کا امام حسینؓ کو کندھوں پر اٹھا کر مدینہ کی گلیوں میں چلنا گویا اس امر کا اظہار تھا کہ حسین آج میرے کندھوں پر تو بیٹھ کر مدینہ کے گلیوں میں چلا ہے کل کوفہ سے دمشق تک تیرا سر کٹ کے نیزوں پر چڑھ کر جائے گا۔ اس امتحان کے وقت اپنے نانا ﷺ کے کندھوں پر چڑھ کر کی ہوئی سیر کی لاج رکھنا۔

سن لیں! یہ باتیں کتب شیعہ کی نہیں ہیں۔ ہمارے خارجیت زدہ لوگوں نے عامۃ الناس کے ذہن پراگندہ کردیئے ہیں کہ جو اہل بیت اور حسنینؓ کی محبت کی بات کرے، بس اس پر تہمت لگادو۔ محبت اہل بیت و حسنین کریمین اہل سنت کا ایمان وعقیدہ ہے۔ ہمارے کُل امام اسے بیان کرنے والے ہیں۔ صرف امام ترمذی نے ہی نہیں بلکہ جملہ ائمہ ومحدثین نے واقعہ کربلا کے واقعات، آقا ﷺ کی حسنین کریمین سے محبت، بزبان مصطفیٰ امام حسینؓ کی شہادت کی خبر اپنی اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔

امام احمد بن حنبل بھی واقعہ کر بلا کے مختلف واقعات کو روایت کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا مقام یہ ہے کہ آپ امام بخاری اور امام مسلم کے شیخ ہیں۔ مقدمہ ابن صلاح جیسی اصول حدیث اور فن حدیث کی کتابوں میں درج ہے کہ ان کی کتاب مسند احمد بن حنبل اتنی معتبر کتاب ہے کہ اس میں موجود 27 ہزار احادیث میں سے صرف چودہ پر موضوع کا حکم لگا ہے۔ بعض نے 2، بعض نے 5 پر حکم لگایا ہے۔ 27ہزار احادیث میں سے 14 پر جرح ہوئی۔ گویا حدیث کی اتنی اعلیٰ درجے کی کتاب مسند امام احمد بن حنبل ہے۔ اس اعلیٰ مقام کے حامل امام بھی اس کو روایت کررہے ہیں۔ میں کسی مورخ کی بات نہیں کررہا، کسی کتاب تاریخ سے نہیں لے رہا۔ اس مقام ومرتبہ کے حامل امام احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں آقا ﷺ کی زبانی شہادت امام حسینؓ اور مقام شہادت کی خبر دینے کی روایت کو بیان کیا۔

☆ امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں بھی روایت کیا کہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آقا ﷺ میرے گھر میں ایک روز تشریف فرما تھے کہ مجھے فرمایا:

’’اے ام سلمہ! دروازے کا خیال رکھنا کوئی اندر داخل نہ ہو‘‘۔ اس اثناء میں کہ آپ دروازے پر نگہبان تھیں حضرت امام حسینؓ آئے اور اندر چلے گئے اور حضور ﷺ کے کندھوں پر جا چڑھے۔ رسول اللہ ﷺ ان

کو گود میں لے کر چومنے لگے تو فرشتے نے عرض کی:

**اتحبہ؟ قال: نعم قال ان امتک ستقتله وان شئت اتیک المکان الذی یقتل فیه فضرب بیده فاراه ترابا احمر.**

''کیا آپ اس کو محبوب رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' فرشتے نے کہا ''بے شک آپ کی امت اس کو قتل کردے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھادوں جہاں یہ قتل کئے جائیں گے پس اس نے اپنا ہاتھ مارا اور آپ کو سرخ مٹی دکھا دی''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ آقا ﷺ نے وہ مٹی شیشی میں ڈال کر مجھے دے دی اور فرمایا:

**یا ام سلمہؓ اذا تحولت هذه التربة دما فاعلمی ان ابنی قدقتل.**

''ام سلمہ اس مٹی کو سنبھال کے رکھ لینا، دیکھتے رہنا جب یہ مٹی خون میں بدل جائے اس دن سمجھ لینا کہ حسین شہید ہوگیا''۔

☆ امام سیوطی نے الخصائص میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت اصبغ بن بنانہؓ سے مروی ہے کہ

**ایتنا مع علی موضع قبر الحسین فقال ههنا مناخ رکابهم وموضع رحالهم ومهراق دمائهم فئة من ال محمد ﷺ یقتلون بهذه العرصة تبکی علیهم السماء والارض.** (الخصائص الکبریٰ، ۲:۱۲۶)

''ہم حضرت علیؓ کے ساتھ قبر حسینؓ کی جگہ پر آئے تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ اور یہ ان کے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون بہنے کا مقام ہے۔ آل محمد ﷺ کا ایک گروہ اس میدان میں شہید ہوگا جس پر زمین و آسمان روئیں گے''۔

الغرض واقعہ کربلا اور حسنین کریمین سے آقا ﷺ کی محبت کو ائمہ حدیث، صحابہ، ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار کے لوگ روایت کرتے رہے۔ اب یہ شہادت کا ذکر کوئی تاریخی عام واقعہ نہیں ہے۔ یہ ایک طرف تو سیرت محمدی کا باب ہے اور دوسری طرف اس شہادت کا تذکرہ مصطفیٰ ﷺ خود کر گئے ہیں۔ اب جس طرح حدیث مصطفیٰ ﷺ کبھی ختم نہیں ہوسکتی اسی طرح ذکر حسین بھی ختم نہیں ہوسکتا بلکہ دائماً زندہ رہے گا کیونکہ اس کا تذکرہ حضور ﷺ نے خود فرمادیا ہے۔

☆ امام احمد بن حنبل کی فضائل الصحابہ، امام طبرانی کی المعجم الکبیر، خطیب بغدادی کی تاریخ بغدادی، حافظ ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب، امام ابن عبدالبر کی الاستیعاب میں بھی اس حوالے سے مستند احادیث موجود ہیں۔ میں کتب تاریخ کی بات نہیں کررہا کہ کوئی یہ کہہ کر جھٹلا دے، اس کی اہمیت گھٹادے، اس کا تذکرہ مٹادے کہ یہ تاریخی روایتیں ہیں، من گھڑت اور ضعیف ہیں، نہیں بلکہ یہ مستند ائمہ کرام و محدثین نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ جب بے شمار ائمہ حدیث کسی حدیث کو لے لیں اور استدلالاً، اسناداً بیان کریں اور پھر اس کو رد نہ کریں، اس پر جرح نہ کریں بلکہ قبول کریں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کا یہ مذہب و اعتقاد ہے۔ معناً یا اسناداً انہوں نے اسے قبول کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

**رایت النبی ﷺ فیما یری النائم ذات یوم بنصف النهار اشعث اغبر بیده قارورة فیها دم فقلت: بابی انت وامی ماهذا؟ قال: هذا دم الحسین واصحابه ولم ازل التقطه منذالیوم فاحصی ذالک الوقت فاجد قتل ذالک الوقت.**

''ایک دن دوپہر کے وقت میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی سونے والا کسی کو دیکھتا ہے (یعنی خواب میں) کہ آپ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک بوتل ہے جو خون سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا ''حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج سارا دن (صبح سے لے کر اب تک بوتل میں) اکٹھا کرتا رہا ہوں'' (حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں) میں نے اس وقت کو یاد رکھا (جس وقت یہ خواب دیکھا تھا) پس میں نے پایا کہ حضرت امام حسینؓ اسی وقت شہید کئے گئے تھے''۔

پس یہ بات طے ہوگئی کہ کربلا کے دن 10 محرم الحرام کو تاجدار کائنات شہادت حسین کا نظارہ کرنے خود کربلا میں موجود تھے، حوصلہ دے رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ان یزیدیوں کی جفا کا عالم کیا ہے اور میرے حسینؓ کی وفا کا عالم کیا ہے۔

جس شہادت پر مصطفیٰ ﷺ خود موجود ہوں اس دن کو منایا نہ جائے، اس شہادت کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ کیسا امتی ہے؟ اس بدبخت کا آقا علیہ السلام کے ساتھ کیسا تعلق ہے؟ کسی اور شہادت پر آقا ﷺ سارا دن کھڑے ہوکر خون شیشی میں جمع نہیں کرتے رہے۔ شیشی میں شہیدوں کے خون کو جمع کرتے وقت آقا ﷺ پر کیا بیتتا ہوگا۔

## سرِ حسینؓ کی اعجازی شان

☆ امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں، امام الآجوری نے الشریعہ میں، امام ابن عساکر، امام سیوطی اور کبار ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ جب شہدائے کربلائے معلٰی کے سر کاٹ کے نیزوں پر لے کر جانے والے قافلے کے راستہ میں ایک منزل پر ایک گرجا تھا۔ رات گزارنے کے لئے قافلہ نے وہاں قیام کیا اور بقول ابن کثیر وہ لوگ آپ کا سر مبارک پاس ہی رکھ کر شراب پینے لگے کہ اتنے میں پردہ غیب سے ایک آہنی قلم نمودار ہوا اور دیوار پر خون سے لکھا:

اترجو امة قتلت حسینا
شفاعة جده یوم الحساب

''کیا حسینؓ کو شہید کرنے والے یہ امید بھی لگائے بیٹھے ہیں کہ قیامت کے روز ان کے نانا ﷺ ان کی شفاعت کریں گے؟''۔

☆ امام سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں، امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق، علامہ شوکانی نے فیض القدیر میں، امام شامی نے سیرت شامیہ میں اور دیگر بہت سے ائمہ محدثین نے بیان کیا کہ یزید بدبخت کے حکم سے شہداء کے سروں اور اسیران کربلا کو تین روز تک دمشق کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ حضرت منہال بن عمروؓ سے مروی ہے:

**واللہ رایت راس الحسین حین حمل وانا بدمشق وبین یدی الراس رجل بقرا سورة الکهف حتی بلغ قوله تعالیٰ: ام حسبت ان اصحاب الکهف الرقیم کانوا من ایتنا عجبا، فانطق الله الراس بلسان ذرب فقال: اعجب من اصحاب الکهف قتلی وحملی.**

''خدا کی قسم! میں نے حسینؓ کے سر کو نیزے پر چڑھے ہوئے دیکھا اور میں اس وقت دمشق میں تھا۔ سر مبارک کے سامنے ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **ام حسبت ان اصحاب الکهف والرقیم** ۔۔۔ (کیا تونے جانا کہ بے شک اصحاب کہف اور رقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجوبہ تھے) پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے سرمبارک کو گویائی دی اور اس نے بہ زبان فصیح کہا کہ اصحاب کہف (کے واقعہ) سے میرا قتل کیا جانا اور میرے سر کا نیزہ پر اٹھایا جانا عجیب تر ہے''۔

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت امام حسینؓ کا قتل کیا جانا اور آپؓ کے سر انور کو تن سے جدا کرکے نیزے پر چڑھا کر دمشق کے بازاروں میں پھرایا جانا، یہ اصحاب کہف کے واقعہ سے کہیں عجیب تر ہے کیونکہ اصحاب کہف نے تو کفار کے خوف سے اپنے گھر بار کو

چھوڑا اور ترک وطن کرکے ایک غار میں پناہ لی تھی مگر حضرت امام حسینؓ آپ کے اہل بیت اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ جوظلم وستم اور ناروا سلوک ہوا وہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں ہوا جو اسلام اور ایمان کے دعویدار تھے۔ اصحاب کہف عام لوگ تھے جو اپنے اس عمل کی بدولت مقام ولایت پر فائز ہوگئے تھے جب کہ حضرت امام حسینؓ پیغمبر اسلام ﷺ کے جگر کے ٹکڑے اور نواسے تھے۔ اصحاب کہف نے اگرچہ کئی سو سال کی نیند کے بعد اٹھ کر کلام کیا تھا لیکن بہر حال وہ زندہ تھے مگر حضرت امام حسینؓ کے سر انور کا جسم سے جدا ہوجانے کے کئی روز بعد نیزے کی نوک پر بولنا یقیناً اصحاب کہف کے واقعہ سے عجیب تر ہے۔

## یزید کی رعونت

جب حضرت امام حسینؓ کا سر انور یزید کے پاس لاکر اس کے آگے رکھا گیا تو اس نے تمثیلاً یہ اشعار پڑھے۔

لیت اشیاخی ببدر شهدوا

جزع الخزرج فی وقع الاسل

قد قتلنا الضعف من اشرافکم

وعدلنا میل بدر فاعتدل

”اے کاش! بدر میں قتل ہونے والے میرے اشیاخ بنو خزرج کا نیزوں کی ضربوں سے چیخنا چلانا دیکھتے۔ ہم نے تمہارے دوگنا اشراف کو قتل کردیا ہے اور یوم بدر کے میزان کے جھکاؤ کو برابر کردیا ہے“۔

(البدایہ والنہایہ، ۱۹۲:۸)

بدبخت یزید کے پیروکار غور سے سنیں، یزید کی خلافت پر عقیدے رکھنے والے غور سے سنیں، یزید کی فکر کے علمبردار غور سے سنیں، اس نے کہا میں نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جانے والے کفار قریش کا آج بدلہ لے لیا ہے۔ گویا وہ اپنے آپ کو انہی کفار مکہ کے ساتھ متعلق کررہا ہے۔

## آقا ﷺ کو کیا جواب دو گے!

امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، امام طبری نے تاریخ میں، امام ابن الاثیر نے الکامل میں اور امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے کہ امام زین العابدینؓ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہما اجڑا اور لٹا قافلہ لے کر جب دمشق سے واپس مدینہ پہنچے تو حضرت ام لقمان بن عقیل بن ابی طالب اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ باہر آگئیں اور روتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم

ماذا فعلتم وانتم آخر الامم

بعترتی وباهلی بعد مفتقدی

منهم اساری وقتلی ضرجوا بدم

ماکان هذا جزائی اذ نصحت لکم

ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

”لوگو! کیا جواب دو گے جب نبی کریم ﷺ تم سے پوچھیں گے کہ تم نے آخری امت ہونے کے باوجود کیا کیا؟ میرے بعد میری اولاد اور اہل بیتؓ کے ساتھ کہ ان میں سے بعض کو تم نے اسیر کیا اور بعض کا خون بہایا۔ میں نے تم کو جو نصیحت دی تھی کہ میرے بعد میرے قرابت داروں سے برا سلوک نہ کرنا، اس کی جزا یہ تو نہ تھی“۔ (البدایہ والنہایہ، ۱۹۸:۸، ابن اثیر، ۸۹:۴)

میں نے تمہیں شرک کی آلودگیوں سے نکال کر توحید کا نور دیا۔۔۔ میں نے تمہیں گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور اسلام کی روشنی عطا کی۔۔۔ میں نے اس گری ہوئی انسانیت کو عظمت کا بام عروج عطا کیا۔۔۔ میں نے تمہیں اللہ سے ملایا۔۔۔ تمہیں پوری دنیا کا فاتح بنایا۔۔۔ ایمان، اسلام، احسان، تقویٰ

اور زہد کی منزلیں دی۔۔۔ ہدایت دی، قرآن دیا اور قیامت تک تمہیں آخرالامم اور خیرالامم بنایا۔ سارا کچھ کرکے اس تبلیغ رسالت کے بعد میں نے کہا قــــــل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا بس اتنا کرنا کہ میری قرابت کا حیا کرنا۔ میں دیکھوں گا میرے بعد میری اہل بیت اور میرے شہزادوں کے ساتھ کیا کرتے ہو۔ اگر رسول ﷺ نے تم سے پوچھ لیا کہ حسین وہ تھا جس کو میں نے اپنا بیٹا کہا اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن کے ساتھ ملاکر اپنی چادر میں ڈھانپا تھا اور عرض کیا تھا کہ الــلهــم هــولاء اهــل بیتی اے اللہ یہ میری اہل بیت ہیں۔ اگر حضور ﷺ نے تمہارے اس سلوک اور اپنے احسان بارے پوچھ لیا تو کیا جواب دو گے۔۔۔؟

## محبت صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار ان دونوں کی محبت ہمارے لئے اسوہ ہے۔ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار ان دونوں کی محبت کو اپنا زینہ، توشہ اور اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنانا چاہئے۔

☆ آقا علیہ السلام نے اہل بیت کی محبت کے حوالے سے فرمایا:

**اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا یَغْذُوکُمْ بِهٖ مِنْ نِعْمَةٍ** اللہ نے جو تم کو نعمتیں دی ہیں ان نعمتوں کے حیاء سے خدا سے محبت کیا کرو۔۔۔ **وَاَحِبُّونِی بِحُبِّ اللّٰهِ** اور اللہ کی محبت کے حیا سے مجھ سے محبت کیا کرو۔۔۔ **وَاُحِبُّوا اَهْلَ بَیْتِی بِحُبِّی** اور میری محبت کے سبب سے میری اہل بیت سے محبت کیا کرو''۔

☆ حضرت عبداللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ

**حب آل محمد یوما خیر من عبادة سنة.**

''اہل بیت محمد کی محبت میں ایک دن گزارنا پورے سال کی نفلی عبادت سے افضل ہے''۔

☆ آقا علیہ السلام نے یہاں تک فرمایا:

**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيمَانُ حَتَّى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِقَرَابَتِي.**

(اخرجه احمد بن حنبل فی المسند، ۱/ ۲۰۷، الرقم:۱۷۷۲)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔''

☆ امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے کہ امام حسن مجتبیٰ فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

**لــکــل شئی اساس، اساس الاسلام حب اصحاب رسول الله وحب اهل بیته.**

ہر شے کی ایک بنیاد ہوتی ہے، اسلام کی بھی ایک بنیاد ہے۔ اسلام کی بنیاد دو محبتیں ہیں: ایک حضور ﷺ کے صحابہ کی محبت، دوسری اہل بیت کی محبت''۔

اہل بیت کو آقا ﷺ نے امــان لامتی فرمایا یعنی ''اہل بیت میری امت کی امان ہیں''۔

صحابہ کو آقا ﷺ نے نـجوم لامتی فرمایا یعنی ''یہ میری امت کے ستارے ہیں''۔ بــایهــم اقتــدیتم اهدتیتم جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاجاؤ گے۔

پس اہل بیت کی محبت اور احترام سے دوزخ کے عذاب سے امان ملے گی اور صحابہ کی محبت، احترام اور اقتداء کرنے سے گمراہی سے نجات اور ہدایت ملے گی۔ گویا اِن کی محبت بھی امان اور اُن کی محبت بھی امان۔ دونوں محبتیں حقیقت میں شمعِ مصطفیٰ ﷺ کی کرنیں ہیں۔

آقا علیہ السلام کے ساتھ جس کو محبت کا دعویٰ

ہے وہ حضور ﷺ کی اہل بیت سے محبت کرے۔ حضور ﷺ کی اہل بیت اگر انگوٹھی ہے تو امام حسین اس کا نگینہ ہےؓ۔ آپؓ پوری اہل بیت کا حسن و زینت ہیں۔ قیامت کے دن واللہ اس شخص کی شفاعت نہیں ہوگی جس پر سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ اور حسنؓ وحسینؓ ناراض ہوں گے۔ جن کو آقا نے جنتی جوانوں کے سردار کہا اگر ان کا دل کسی سے دکھی ہے تو وہ جنت میں کیسے داخل ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ جنت کے وارث ہیں۔ پس ان سے محبت و مودت کریں۔۔۔ ان کی اتباع و اطاعت کریں۔۔۔ ان سے تمسک رکھیں اور ان کا توسل اختیار کریں، اس لئے کہ ان کا وسیلہ ہی کام آئے گا۔

صحابہ کرام نے عمر بھر پوری زندگی ان کا توسل رکھا۔ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں جب قحط پڑا تو حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب حیات تھے۔ امیرالمومنینؓ خود حضرت عباسؓ کو استسقٰی کے لئے کھڑا کرتے اور ان سے توسل کرتے اور کہتے باری تعالیٰ! جب حضور ﷺ کا زمانہ تھا تو حضور ﷺ سے توسل کرتے تھے اب حضور کے چچا زندہ ہیں، ان سے توسل کرتے ہیں۔ الغرض حضور ﷺ کے خانوادے کا جو فرد ان کو مل جاتا اس سے توسل کرتے، ان سے محبت کرتے، ان سے تمسک کرتے کیونکہ اسی میں امان، ہدایت، آقا ﷺ کی خوشی اور اللہ کی رضا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے عقائد کو درست کریں۔ محبت الٰہی، محبت رسول ﷺ، محبت اہل بیت، محبت صحابہ اور محبت اولیاء و صالحین ان پانچ محبتوں پر خود کو جمع رکھیں۔ خارجیت کی فکر سے کبھی خود کو متاثر نہ ہونے دیں۔ جھوٹی تہمتیں لوگوں کو راہ حق سے بہکانے اور ہٹانے کے حیلے ہوتے ہیں، اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اور اپنے عقیدہ کو طاقتور بنائیں۔ ایمان کا جو راز امت کے جمیع ائمہ، اولیاء صلحاء و صالحین کے ہاں صدیوں سے چلا آرہا ہے اسی طریقے کو ہمیشہ زندہ رکھیں۔ یہی مسلک، منشور اور طور طریقہ تحریک منہاج القرآن کا بھی ہے اور منہاج القرآن کی دعوت بھی پوری دنیا کے لئے یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ہمیں حب رسول ﷺ، حب صحابہ، حب اہل بیت اور حب اولیاء و صالحین پر جمع رکھے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

# آپ کے فقہی مسائل

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

## منہ بولی اولاد کے احکامات

سوال: ہمارے معاشرے میں عموماً بچپن میں کسی بچے یا بچی کو کوئی قریبی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار متبنیٰ (منہ بولا بیٹا/ بیٹی) بنالیتا ہے۔ اب اس متبنیٰ کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے سرکاری تعلیمی ریکارڈ میں ولدیت کیا لکھی جائے گی؟ کیا متبنیٰ اپنے پرورش کرنے والے کا وارث بن سکتا ہے؟ اگر متبنیٰ بنانے والا اپنی حقیقی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہی اپنا ورثہ متبنیٰ کے نام منتقل کردے تو کیا بعد از انتقال اس کے دیگر ورثاء متبنیٰ سے وہ ورثہ واپس لے سکتے ہیں؟ اگر متبنیٰ بنانے والے کی صلبی اولاد بھی ہو تو پھر متبنیٰ کو کس طرح وراثت میں حصہ دار بنایا جاسکتا ہے؟

جواب: متبنیٰ بنانے والا شخص نہ باپ ہے نہ متبنیٰ اس کا بیٹا یا اولاد۔ لہٰذا باپ کی جگہ صرف اور صرف اس کے حقیقی باپ کا نام ہی لکھا اور پکارا جائے گا۔ قرآن کریم میں واضح حکم ہے:

**وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ.**

"اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، یہ سب تمہارے منہ کی اپنی باتیں ہیں اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔ تم اُن (مُنہ بولے بیٹوں) کو ان کے باپ (ہی کے نام) سے پکارا کرو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ عدل ہے، پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو (وہ) دین میں تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں"۔ (الاحزاب، ۳۳:۴، ۵)

پس متبنیٰ (منہ بولے بیٹے/ بیٹی) کے حقیقی والدین ہی اس کے والدین ہیں اور رہیں گے خواہ پرورش کوئی کرے۔ حقیقی والد کا نام ہی والد کے طور پر لکھا اور بتایا جائے گا خواہ کچھ ہو۔ دوسرے کی طرف منسوب کرکے اس کا بیٹا کہنا یا لکھنا حرام ہے۔ متبنیٰ کی پرورش کرنے والا شخص اپنی زندگی میں جتنا مناسب سمجھے مکان، روپیہ، دوکان وغیرہ ہبہ کرسکتا ہے، اس کے نام رجسٹری کردے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس میں وراثت کا جھگڑا نہ ہو۔ وراثت صرف اس مال میں چلتی ہے جو مرتے وقت کسی کی ملکیت میں ہو۔

دوسری صورت یہ بھی ہے کہ مرتے وقت ایک تہائی تک مال اس کے نام کرنے کی وصیت کرجائے۔ اس شخص نے اپنی زندگی میں جو کچھ متبنیٰ کو دے دیا چونکہ اب وہ اس کی ملکیت سے نکل کر اس متبنیٰ کی ملکیت میں آچکا، لہٰذا اس پر مرنے والے کی وراثت کا اطلاق نہ ہوگا اور نہ ہی واپسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جب متبنیٰ کسی طور پر وارث بنتا ہی نہیں تو صلبی اولاد یا دیگر ورثاء کے ساتھ اس

کا وراثت میں کوئی مسئلہ ہی نہ رہا، باقی ورثاء تمام ترکہ میں سے حسب ضابطہ اپنا اپنا مقررہ حصہ پائیں گے۔

دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ حقیقی ورثاء کا حق اس متبنٰی کی وجہ سے مارا نہ جائے۔ اس لئے میں نے کل مال کی ایک تہائی کی وصیت کی بات کی تاکہ اس کا کام بھی ہوجائے اور بقایا حصے باقی وارثوں میں بھی تقسیم ہوسکیں۔ نہ کسی کا حق مارا جائے اور نہ کوئی محروم ہو۔

نامعلوم نسب کا کوئی بچہ مل جائے تو اس کی پرورش کرنے والا اس کا سرپرست کہلوائے گا اور تمام کاغذات میں بطور والد نہیں بلکہ بطور سرپرست اس کا نام درج کیا جائے گا۔

## دو صریح طلاقوں کے بعد رجوع

سوال: کیا دو طلاقیں دینے کے بعد بلا تجدید نکاح رجوع کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ کے ساتھ ایک یا دو مرتبہ طلاق دے دے تو نیک نیتی سے عدت کے اندر زبانی یا تحریری طور پر بغیر نکاح کئے رجوع کرسکتا ہے بشرطیکہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے، ورنہ عدت گزرنے دے تاکہ نکاح ختم ہوجائے اور عورت آزاد ہوجائے۔ فرمان الٰہی ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ م بِاِحْسَانٍ. (البقرہ، ۲: ۲۲۹)

’’طلاق (رجعی) ایک یا دو مرتبہ ہے پھر بھلائی سے روک لو یا حسن سلوک سے چھوڑ دو‘‘۔

یہ ایک یا دو صریح طلاقیں عدت کے اندر رجعی ہوتی ہیں مگر عدت گزرنے کے بعد یہ بائن ہوجاتی ہیں یعنی پھر بلا تجدید نکاح رجوع کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

## فیکٹریوں اور کارخانوں میں نماز کا اہتمام

سوال: فیکٹریوں اور کارخانوں میں نماز کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟ بعض جگہوں پر عام لوگوں کو نماز جمعہ کے لئے آنے کی اجازت نہیں ہوتی، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: آج کل کے حالات میں پہلے سے بہت زیادہ تبدیلی آگئی۔ جس کا پہلے زمانہ میں تصور بھی نہ تھا۔ کئی کئی منزلہ عمارات، کثیر المقاصد دفاتر، بلند و بالا وسیع وعریض بلڈنگز، فیکٹریاں اور کارخانے ہیں جہاں سینکڑوں، ہزاروں لوگ مصروف کار ہیں۔ ان میں سے بعض عمارات میں منتظمین نے نمازیوں کے لئے کچھ حصے مسجد کے نام سے مخصوص کر رکھے ہیں۔ جہاں نمازی آسانی سے نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ مختلف اوقات میں نمازیوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ چھٹی کے ایام و اوقات میں چند ملازمین کے سوا یہاں کوئی نہیں ہوتا۔ ایسے بیشمار لوگوں کی سہولت کی خاطر ان مساجد میں امام اور مؤذن وغیرہ کا بندوبست ہوتا ہے لیکن نمازیوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ خود شہری آبادیوں میں عیدین یا دوسری تعطیلات میں اکثر آبادی اپنے اپنے دیہات کا رخ کر لیتی ہے اور نمازیوں کی تعداد سکڑ جاتی ہے ان تمام حالات و مقامات میں نماز پنجگانہ بھی ادا ہوتی رہتی ہے اور نماز جمعہ وعیدین بھی۔ شرعاً یہ سب درست ہے۔ (شامی، ردالمختار، ۲: ۱۵۲)

سیکیورٹی اور دوسری مجبوریوں، ضرورتوں کے پیش نظر بعض مقامات پر عام لوگوں کو آنے کی اجازت دینا ممکن نہیں۔ اس کا مقصد نماز سے روکنا نہیں بلکہ دوسری وجوہات ہیں۔ پس دوسری شرعی شرائط اگر کسی جگہ پائی جائیں اور سیکیورٹی یا دوسری مجبوریوں کی بنا پر اذن عام نہ بھی ہو تو نماز جمعہ جائز ہے، جیسے حساس مقامات، جیل خانہ جات ایوان صدر، ایوان وزیر اعظم وغیرہ۔

## مکان گروی پر لینے دینے کے احکامات

سوال: کیا اسلام میں گھر گروی پر لینے اور دینے کی اجازت ہے؟

جواب: اہلِ لغت کے ہاں رہن یعنی گروی

کے لغوی و اصطلاحی (شرعی) معنیٰ ہے کہ

**ما وضع عندک لینُوبَ مناب ما اخذ منک**

''گروی وہ چیز ہے جو تیرے پاس رکھی جائے تاکہ وہ اس شے کے قائم مقام ہو جائے جو تجھ سے لی گئی ہے''۔

☆ اصطلاحی معنی میں گروی سے مراد ہے کہ

**مَـا یُـوضَـعُ وثیـقَة لـلـدَّینِ... حقیقة ذلک اَن یَدْفَعَ سِلْعة تَقْدِمَة فی ثَمَنِه فَتَجْعَلُها رَهِینَة لِاِتْمامِ ثَمَنِها.**

''قرض کی واپسی یقینی بنانے کیلئے کسی چیز کو بطور ضمانت قبضہ میں لینا۔۔۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز دوسرے کے حوالے کر دی جائے جس کی قیمت دَین (قرض) کے برابر یا زائد ہو تاکہ قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں وہ قرض کا معاوضہ ہو سکے (اور دائن [قرض دینے والے] کو مالی نقصان نہ ہو)''۔

(المفردات فی غریب القرآن: 204، ابن الاثیر الجزری، النهایة، 2:285)

☆ فقہائے کے نزدیک گروی کی تعریف یہ ہے کہ

**فهو جعل عین لها قیمة مالیة فی نظر الشرع وثیقة بدین بحیث یمکن اخذ الدین او اخذ بعضه من تلک العین.**

جس چیز کی شرعاً مالی قیمت ہو اُسے قرض وصول کرنے کی دستاویز اور ضمانت قرار دینا تاکہ اس چیز سے پورا قرض یا اس کا کچھ حصہ وصول کرنا ممکن ہو۔

(علامہ عبدالرحمن الجزری، الفقه علی المذهب الاربعة، 2: 319)، (علامہ شمس الدین السَّرَخسی، المبسوط، 63:11)

☆ قرآن مجید میں ہے کہ

**وَ اِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ. (البقره، ۲: ۲۸۳)**

''اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو باقبضہ رہن رکھ لیا کرو''۔

☆ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

**تُوُفِّی رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم و ذرعه مرهونة عند یهودی بثلاثین صاعًا من شعیر.**

(بخاری، الصحیح، 3:1068، رقم: 2759)

''رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی ذرع ایک یہودی کے پاس تیس (30) صاع جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی''۔

## گروی/ رہن کے ارکان اور شرائط

سفر یا حضر میں ایک شخص یا گروہ کو رقم یا جنس وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی دوسرے کے پاس وہ رقم یا جنس موجود ہے اور وہ ضرورت مند کو قرض دینا چاہتا ہے مگر ساتھ ہی اپنی رقم کے تحفظ اور واپسی وصولی کو یقینی بنانے کیلئے قرض لینے والے سے زمین، مکان، گاڑی یا اسلحہ وغیرہ لیتا ہے تاکہ اس کی رقم یا جنس ضائع نہ ہو جائے۔ قرض لینے والے کو 'مرتہن'۔۔۔ دینے والے کو 'راہن'۔۔۔ گروی رکھی گئی شے کو 'مرہونہ'۔۔۔ اور اس معاہدہ کو 'رہن' یا 'رہان' کہتے ہیں۔۔۔ رہن کے تین ارکان ہیں:

1۔ فریقین یعنی راہن اور مرتہن

2۔ اشیا معاملہ، اس میں دو چیزیں شامل ہیں: شے مرہونہ، اور اس کے مقابلہ میں دی گئی رقم۔

3۔ الفاظ معاملہ (جو لین دین کے لیے استعمال کیے جائیں)

معاملہ رہن کے درست ہونے کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں معاملہ بیع کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یعنی کوئی مجنون و دیوانہ یا بے شعور و نابالغ نہ ہو۔

رہن شرعاً خرید و فروخت کی طرح جائز ہے کیونکہ (چند استثنائی صورتوں کے علاوہ) ہر وہ شے جس کی بیع جائز ہے اس کو رہن رکھنا بھی جائز ہے۔ رہن کا معاملہ کرنا کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ مگر آج کل اس معاہدے میں بھی نقائص و مفاسد آ گئے ہیں اور صدیوں سے

انسانی معاشرے پر دیگر مظالم کے ساتھ یہ بھی مسلّط ہیں۔

## رہن کے احکام

گروی لینے دینے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ گروی رکھی گئی چیز سے دائن (قرض دینے والے) نے کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا مثلاً زمین سے فصل و غلہ، باغ سے پھل وغیرہ کچھ نہیں لیا۔ مکان، دکان، پلاٹ وغیرہ میں رہائش یا کاروبار یا کرایہ وغیرہ کا فائدہ نہیں اٹھایا، تو جب قرضدار قرض ادا کرے تو گروی رکھی چیز اس کو واپس کردی جائے۔

۲۔ اگر گروی رکھی چیز سے دائن نے مالی فائدہ اٹھایا ہے تو جتنا فائدہ اٹھایا ہے، قرض دی گئی رقم سے اُسے منہا کردیا جائے۔ گویا قرض دینے والے کو اس کی اتنی رقم مل گئی۔ جتنی رہ گئی ہے اتنی رقم دیکر دائن گروی رکھی چیز اس کے مالک کو واپس کرے۔ رہن کا یہی طریقہ جائز ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اگر ایک لاکھ روپیہ قرض دیا ہے اور اس کے عوض گروی چیز (مکان، دکان اور زمین وغیرہ) سے فائدہ اٹھاتا رہا، تو قرض کی وصولی کے وقت اس فائدہ کو اصل قرض سے منہا کر دے گا۔ اگر منہا نہیں کرتا تو یہ سُود ہے، جو کہ حرام ہے۔ بدقسمتی سے آج کل ہی نہیں صدیوں سے یہی حرام رائج ہے۔

مذکورہ بالا دونوں صورتیں مجبوری کی حالت میں قرض لینے پر بطور گارنٹی کوئی شے گروی رکھنے کی ہیں۔

۳۔ اب گروی کی ایک جدید صورت سامنے آئی ہے جس میں لوگ کاروبار کرنے کی خاطر اپنا مکان، پلاٹ، دکان یا زمین وغیرہ گروی رکھ کر قرض لیتے ہیں۔ اس صورت میں ایک فریق (راہن) شئے مَرہونہ سے فائدہ اٹھاتا ہے، جبکہ دوسرا فریق (مُرتَہِن) قرض لی گئی رقم کاروبار میں لگا کر مقررہ مدت تک اچھی خاصی کمائی کر لیتا ہے۔ گویا یہ کاروبار کی ایک نئی شکل ہے۔ کیونکہ اس میں فریقین کسی مجبوری کی بجائے اپنے فائدے کے لیے معاہدہ کرتے ہیں، اور دونوں ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے یہ صورت بھی جائز ہے۔

لہٰذا کوئی شے گروی رکھ کر قرض لینے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ مجبوری اور بے بسی کی صورت میں لیا گیا قرض۔

۲۔ کاروبار کے لیے لیا گیا قرض۔

انہی دوصورتوں کے مطابق ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ اگر کوئی مجبور اور بے بس اپنی کوئی چیز گروی رکھ کر قرض لے تو اس کے ساتھ پہلی دوصورتوں کے مطابق سلوک ہونا چاہیے، تاکہ ایک مجبور کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

اس کے برعکس اگر کوئی کاروبار کرنے کے لیے قرض لیتا ہے تو اس کی گروی شے سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اس لیے معاہدہ طے کرتے وقت ہی ان سب باتوں کی وضاحت کرلینا ضروری ہے کہ قرض لینے اور گروی رکھنے کی وجہ کیا ہے۔

## گروی مکان لے کر کرایہ پر دینا

حدیث پاک ہے:

کل قرضٍ جَرّ نَفعَةً فهو ربا.

’’ہر وہ قرض جو ساتھ نفع دے وہ سود ہے‘‘۔

گروی کا مطلب بھی یہ ہے کہ ایک شخص کو رقم کی ضرورت ہے تو وہ اپنی چیز کو اعتماد کے لیے دوسرے کے پاس رکھتا ہے اور وہ شخص کچھ مدت کے لیے اسے رقم دیتا ہے۔ جب یہ رقم واپس کرے گا وہ شخص متعلقہ چیز واپس دے گا۔ مثلاً مکان، سونا اور جائیداد وغیرہ۔

اب اس مکان سے فائدہ حاصل کرنا یہ سود ہے اس لیے کہ یہ قرض کے بدلے بطور امانت آپکے پاس ہے۔

البتہ اگر آپ مالک مکان کو کچھ ماہانہ کرایہ دیتے ہو چاہے وہ عرف سے کم بھی ہو تو اس وقت جائز ہے لیکن مالک مکان کو راضی کرے تو یہ بہتر صورت ہے۔ مکان کی حفاظت آپ پر لازم ہے اس لیے کہ یہ آپ کے پاس امانت ہے۔

# غربت و افلاس کا خاتمہ

## اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

اس وقت ساری دنیا کو بالعموم اور وطن عزیز کو بالخصوص درپیش سنگین اور تشویشناک مسائل میں سے ایک اہم اور فوری غور و فکر اور موثر حل کا متقاضی مسئلہ غربت و افلاس ہے جس نے لوگوں کو خودکشیوں پر مجبور کر رکھا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں رسول رحمت و رافت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے ہمارے لئے کوئی نمونہ، رہنمائی اور اصولی ہدایات نہ چھوڑی ہوں۔ بقول حالی

سکھائے معیشت کے آداب ان کو
پڑھائے تمدن کے باب سب ان کو

کسی معاشرہ کے ترقی یافتہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ معاشرہ صنعتی ترقی، معاشی انصاف، معاشرتی اقدار، انسانی حقوق کے معیار، روزگار کے مواقع اور دیگر بنیادی سہولیات کے لحاظ سے کس مقام پر کھڑا ہے۔ اب یہ کوئی انکشاف نہیں بلکہ معلوم حقیقت اور معروف مشاہدہ ہے کہ پاکستان کا ہر شعبہ خواہ وہ صنعت ہو یا زراعت اس وقت عالم نزع میں ہے۔ معاشی انصاف کی حالت یہ ہے کہ نصف سے زائد آبادی غربت کی انتہائی حد سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔۔۔ معاشرتی اقدار سخت بحران کی زد میں ہیں۔۔۔ انسانی حقوق کا معیار بہت پست ہے۔۔۔ روزگار کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔۔۔ رہ گئیں دیگر بنیادی سہولیات پانی، روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج تو نصف سے زائد آبادی ان سے محروم دکھائی دیتی ہے۔

غربت و افلاس کے اس پریشان کن مسئلہ کا حل حضور رحمۃ للعالمین انیس الغریبین محبّ الفقراء والمساکین ﷺ نے اپنی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کی صورت میں ہمیں عطا فرمایا ہے۔ آیئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

### غربت و افلاس کا سبب

خالق کائنات نے انسان کو پیدا کر کے اور اس کی فطرت میں کھانے پینے کے تقاضے رکھ کر اسے یوں ہی اس کے اپنے حال پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس نے محض لطف و کرم سے اس کے رزق کا بھی ذمہ لیا ہے۔ پھر اس رزق کی فراہمی کے لئے اس نے کمال حکمت اور عجیب و غریب انداز میں زمین میں ایسی صلاحیت، برکت، وسائل اور خزانے رکھ دیئے ہیں کہ قیامت تک بھی ختم نہیں ہوں گے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس رزاق مطلق نے تو سارا نظام کائنات ہی انسان کی اس خدمت پر مامور فرما رکھا ہے۔ البتہ ان لاتعداد وسائل معاش یا وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کا کام خود حضرت انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں یا اس وقت روئے زمین پر اگر کوئی آدمی رزق اور بنیادی ضروریات سے محروم ہے تو اس کا مطلب ہے وافر مقدار میں خداداد وسائل معیشت رزق کی تقسیم کے نظام میں انصاف نہیں ہورہا۔ عام غربت افلاس کے بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں مگر ان میں سب سے بڑا سبب وسائل دولت اور اسباب معیشت کے تقسیم کنندگان وہ ظالم، لٹیرے، قارون صفت، حریص اور غاصب ہیں جو محروم المعیشت اور کمزور لوگوں کا حق مارے بیٹھے ہیں۔ یہی حرص و لالچ، ناانصافی اور استحصال معیشت کے میدان میں ''ام الخبائث'' یا ''ام الامراض'' ہے جو بیشمار خرابیوں کی بنیاد اور جڑ ہے۔ آج سے کوئی چودہ سو سال قبل درس گاہ نبوی اور صحبت نبوی ﷺ کے تعلیم وفیض یافتہ حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر ان کے مالوں میں اپنے معاشرے کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجات کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ فقیر لوگ اگر بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ثروت نے ان کے حق یا ان کے حصے کے وسائل رزق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان اہل ثروت کا محاسبہ فرمائے گا اور فقراء کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا''۔ (ابن حزم، المحلی، جلد۳، ص۴۵۵)

کوئی بڑے سے بڑا ماہر اقتصادیات یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ آج زمین پر جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے کیونکہ اللہ کریم نے جس انسان کو پیدا کیا ہے اس کے رزق کا بھی وافر مقدار میں سامان کیا ہے۔ مگر آج انسان کی خواہشات اور ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر بھی نہ کھاسکے مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔ اس ہوس کو حدیث نبوی ﷺ کے مطابق قبر کی مٹی ہی پورا کرے گی۔

مشہور مصری ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے اپنا ایک عجیب اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے کہ

''میں اپنے ایک مالدار دوست کو ملنے گیا تو وہ اپنے قیمتی پلنگ پر پڑا پیٹ کے شدید درد میں مبتلا کروٹیں لے رہا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ آج لذیذ کھانا پکا ہوا تھا ضرورت سے زیادہ کھالیا اس لئے شدید درد شکم میں مبتلا ہوں۔ میں فوراً ڈاکٹر کے پاس گیا اور دوائی لایا جس سے اسے آرام آگیا۔ واپسی پر میں ایک غریب دوست کے گھر گیا تو وہ بھی پیٹ درد میں مبتلا تھا۔ وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کئی دن سے بھوکا ہوں اور یہی بھوک پیٹ درد کی وجہ ہے۔ میں فوراً تندور سے روٹی لایا جسے کھا کر وہ ٹھیک ہوگیا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کاش میرے مالدار دوست نے اپنی ضرورت سے زیادہ کھانا میرے غریب دوست کو دیا ہوتا تو دونوں کے درد شکم کا علاج ہوجاتا''۔

وہ مزید لکھتے ہیں: ''آسمان بارش برسانے میں بخل نہیں کرتا، نہ زمین غلہ اگانے میں بخل کرتی ہے البتہ طاقتور لوگ کمزوروں کے پاس یہ چیزیں دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کے غریبوں تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں جس کے نتیجے میں محتاج اور پریشان حالی کا شکوہ کرنے والوں کا ایک طبقہ وجود میں آجاتا ہے۔ دراصل غریب کا حق دبانے والے یہ سرمایہ دار ہیں نہ کہ زمین و آسمان''۔

## معاشی استحکام بذریعۂ پیروی تعلیمات مصطفیٰ ﷺ

انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ انسانی معاشرے میں معاشی و معاشرتی عدل و انصاف اور استحکام رب کریم کے پسندیدہ یا مقرر کردہ دین (نظام زندگی) کے کلی اور ہمہ جہتی نفاذ کے لئے بغیر ممکن نہیں ہے جسے اس نے اپنے برگزیدہ اور منتخب نفوس قدسیہ انبیاء علیھم السلام کے

ذریعے انسانیت کی دنیوی و اخروی فلاح کے لئے عنایت فرمایا اور جس کی تکمیل اس نے اپنے آخری پیغمبر رحمت دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے فرمادی۔

ہمارا اس بات پر پختہ ایمان اور یقین ہے کہ انسان جب تک رحمۃ للعالمین ﷺ کے آستانہ پر نہیں جھکے گا دنیا میں طرح طرح کے مصائب و آلام اور مسائل کا شکار رہے گا۔ وہ زندگی میں امن و سکون، معاشی خوشحالی و معاشرتی عدل و انصاف کبھی نہیں پاسکے گا۔ دنیا اس سراج منیر سے جب تک روشنی حاصل نہیں کرے گی مختلف قسم کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتی رہے گی اور جب تک تعلیمات و ہدایت نبوی ﷺ پر عمل پیرا نہیں ہوگی، ہمہ جہتی فوز وفلاح کی مبارک منزل سے دور رہے گی۔

دنیا میں ظلم و ناانصافی، بھوک، افلاس اور تنگدستی، خودساختہ استحصالی اور غیر منصفانہ قانون، غیر فطری حد تک معاشی و معاشرتی تفاوت و عدم توازن جیسی بنیادی اور ننگ انسانیت خرابیوں کو ختم کرنے اور دنیوی و اخروی سعادتوں کے حصول کے لئے سیرت طیبہ، اسوہ حسنہ اور تعلیمات و ہدایات نبوی ﷺ کی پیروی ضروری ہے۔

آیئے! اس سراج منیر کی ضیا پاشیوں میں ساری دنیا خصوصاً پاکستان کو درپیش غربت و افلاس کے گھمبیر مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں تعلیمات و ہدایات محمدیہ ﷺ میں کسی ایک پر بھی خلوص نیت سے عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مسئلہ حل نہ ہو۔

## محنت و روزگار کا فروغ

ہمیں یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ دولت پیدا کرنے کا ایک اہم اولین بنیادی اور کلیدی ذریعہ یا عامل انسان کی ذاتی محنت بھی ہے جس کے بغیر بہت سے خام حالت میں خزائن الٰہی قابل منفعت نہیں بن سکتے۔ ہمارے معاشرے میں غربت و افلاس، تنگ حالی اور آمدنی و پیداوار میں کمی کا ایک سبب اس ذریعہ دولت (محنت) سے جی چرانا ہے۔ یہ محنت سے جی چرانا کچھ تو ذاتی سستی، کاہلی اور لاپرواہی کے باعث ہوتا ہے مگر زیادہ تر اس کا باعث ذریعہ معاش کے طور پر کوئی پیشہ اختیار کرنے اور ہاتھ سے کام کرنے کو حقیر و معیوب سمجھنا ہے اور یہ سوچ شاید ہندوآنہ تہذیب و معاشرت کے ساتھ زیادہ دیر قرب کی وجہ سے پیدا ہوئی جبکہ یہ دونوں باتیں عقلاً ونقلاً انسان کے لئے نقصان دہ ہیں۔ مقام غور ہے کہ اگر خالق کائنات نے انسان کے ساتھ ایک چھوٹا پیٹ لگایا ہے تو اس نے اس پیٹ کو بھرنے کے لئے دو ہاتھ، دو پاؤں، جسمانی قوت، سوجھ بوجھ اور دوسری مخلوق کے برعکس اسے عقلی و دماغی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں جنہیں کام میں لاکر زمین میں پھیلے ہوئے بے شمار رزق الٰہی کو بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ غالباً اسی لئے ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ.

’’وُہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم و مسخر کر دیا، سوتم اس کے راستوں میں چلو پھرو، اور اُس کے (دیے ہوئے) رِزق میں سے کھاؤ، اور اُسی کی طرف (مرنے کے بعد) اُٹھ کر جانا ہے‘‘۔ (الملک:۱۵)

محنت کے حوالے سے جب ہم سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ محنت و مزدوری کو جو عزت جو حوصلہ افزائی اور قابل رشک حد تک جو مرتبہ و مقام آپ ﷺ نے بخشا اس کا وجود روئے زمین پر نہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل تھا نہ آج کی متمدن و مہذب اور بزعم خویش حقوق انسانی کی علمبردار دنیا میں پایا جاتا ہے۔ محنت و مزدوری اور ہاتھ سے کما کر کھانے کو آپ کس قدر ومنزلت سے دیکھتے تھے اور اس کی دنیوی و اخروی برکات و درجات کیا ہیں اس کے لئے اکثر کتب حدیث میں موجود باب ’’طلب کسب الحلال‘‘

کا مطالعہ کافی ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں مکہ مکرمہ کے مقام جیاد پر خود بکریاں چرا کر چرواہوں کو عزت بخشی اور بعد میں نہ صرف اس کا فخریہ اظہار فرمایا بلکہ ذہنی اصلاح کے لئے امت کو یہ بھی بتایا کہ بکریاں چرانا کوئی معیوب اور حقیر پیشہ نہیں بلکہ یہ وہ معزز پیشہ ہے جسے ہر نبی محتشم نے اختیار فرمایا۔ ہاتھ سے کما کر کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہوسکتا اور (یہی وجہ ہے کہ) اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ (بادشاہ ہونے کے باوجود) ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے''۔

(صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، ۲:۶:۵۳۶، رقم ۱۲۰۵)

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

''تم میں سے کسی ایک کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھانا یعنی لکڑیاں بیچ کر کمانا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے پھر اسے کوئی دے یا نہ دے''۔ (ایضاً، ۲:۱۲۷، رقم ۱۰۴۲)

محنت کی نقد دنیوی برکات تو ہیں ہی جس سے کسی کو انکار نہیں، نبی اکرم ﷺ نے تو اس کا بہت سا اخروی ثواب بھی بتایا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں متعدد ایسے ائمہ، فقہاء کرام، مفسرین اور محدثین کے نام ملتے ہیں جو اپنے اپنے آباؤ اجداد کی بنسبت اپنے معمولی پیشوں کے حوالے سے زیادہ معروف ہیں۔ مثلاً امام غزالی، امام جصاص، امام بزاز، امام قدوری وغیرہ۔ اس سے بڑھ کر محنت مزدوری کی حوصلہ وعزت افزائی کیا ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو اپنے لب ہائے مبارک سے بوسہ دیا اور فرمایا:

''یہ وہ ہتھیلیاں ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے''۔

(طبرانی المعجم الاوسط، ۸:۳۸۰، رقم: ۸۹۳۴)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھوئے گی''۔

(ابن اثیر، اسد الغابہ، ۲:۴۲۰)

پاک نبی ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب نے ہمیں یہ ترغیب بھی دی ہے کہ اگر کسی جگہ محنت کے باوجود روزگار کے حصول کے مناسب اور معقول مواقع نہ ہوں تو اللہ کی وسیع زمین میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ اللہ کریم تمہیں وہاں خوشحالی اور وسعت عطا فرمائیں گے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ (النساء: ۱۰۰)

''اور جو کوئی اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے وہ زمین میں (ہجرت کے لیے) بہت سی جگہیں اور (معاش کے لیے) کشائش پائے گا''۔

سیرت طیبہ سے ہر مومن کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ قوت بازو اور اپنی خداداد جسمانی و دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر زمین پر پھیلے ہوئے رزق الٰہی میں سے اپنی پسند کے مطابق شرعاً جائز ذرائع سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی معاش کا اہتمام کرے۔ اس سلسلے میں اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو نہ صرف دور کیا جائے بلکہ اسلامی ریاست اس کے لئے روزگار کے مواقع مہیا کرے۔ جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے ایک بے روزگار نوجوان صحابی کی وقتی طور پر مدد کرنے کی بجائے اس کا کمبل اور پیالہ بولی میں دو درہم کا فروخت کیا۔ ایک درہم سے اس کے اہل خانہ کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر اور خود دست نبوت سے اس میں دستہ لگا کر اسے لکڑیاں کاٹنے اور بازار بیچنے کے کاروبار پر لگایا۔

(مشکوٰۃ، باب من لاتحل لہ المسئلہ، ص ۱۶۳)

## ایثار و انفاق کی تلقین

کسی بھی انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا یعنی بعض کا صاحبِ ثروت و دولت اور امیر و غنی ہونا بعض کا ضرورت مند اور غریب و مفلس ہونا ایک فطری امر ہے اور اس میں بفحوائے قرآن مجید کئی تکوینی مصلحتیں پوشیدہ ہیں مگر ہم خالق کائنات کے تکوینی نظام کے بجائے اس کے آخری رسول ﷺ کے عطا کردہ تشریعی نظام کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ شریعت محمدیہ درجاتِ معیشت میں سوشلزم کی طرح غیر فطری مساوات کی تو قائل نہیں البتہ اس نے ’’حق معیشت‘‘ میں بغیر کسی تفریق کے جملہ انسانوں کو برابر قرار دیا ہے۔ اس کے لئے اس نے بالعموم خوشدلانہ، رضاکارانہ اور برادرانہ مواسات یعنی باہمی ہمدردی و غمخواری کی تعلیمات سے کام لیا ہے۔ اس لئے غربت و افلاس کا مسئلہ زیادہ تر تو شریعت محمدیہ کی انہی بے نظیر و بے مثال اور مؤثر تعلیمات سے حل ہوجاتا ہے باقی کسر قانون کی مدد سے نکال لی جاتی ہے۔

سیرت نبوی ﷺ میں اس کی سب سے بڑی مثال سرکار دو عالم ﷺ کا وہ معاہدہ مواخاۃ ہے جو آپ ﷺ نے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان قائم فرمایا تھا۔ جس کی مدد سے حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین کی رہائش خوراک اور کاروبار کا مسئلہ فوری طور پر اتنی آسانی سے حل فرمایا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔ اسلام اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے امارت و غربت کے طبقاتی احساس کو مٹاکر اخوت و بھائی چارے، ہمدردی و غمخواری کا ماحول پیدا کرتا ہے۔

یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کچھ لوگ تو ضروری خوردونوش، لباس، تعلیم، علاج معالجہ کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوں اور ساتھ ہی ایک طبقہ عیش وعشرت فضول خرچیوں اور اپنے اللوں تللوں سے ان غربت کے مارے لوگوں کے زخموں پر مزید نمک چھڑکے۔ ایک اسلامی معاشرے میں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں۔

اس لئے قرآن مجید میں مکی دور کے اندر ہی غرباء و مساکین اور محروم المعیشت لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے اور انہیں معاشی فکر سے مطمئن کرنے کے لئے احکامات اور ہدایات اترنا شروع ہوگئیں۔ قانون نافذ کرنے سے قبل ترغیبی اور تشویقی انداز میں صاحب حیثیت حضرات کو دلنشین انداز میں ایثار و انفاق کی تلقین کی گئی۔ انہیں ذہنی و قلبی طور پر غرباء کی رضا کارانہ مالی امداد و تعاون پر ابھارا گیا۔ کیونکہ جب تک کسی معاشرے میں ذہنی و قلبی تبدیلی نہیں آجاتی اس وقت تک اس میں کوئی تبدیلی رونما اور انقلاب بپا کرنا آسان نہیں ہوتا۔

دلوں کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ دل و دماغ پر اس ذمہ داری کا احساس چھایا ہوا ہو جو رب العالمین کا نائب اور سارے جہانوں کے پالنے والے کا خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے۔ پروردگار عالم کا خلیفہ اور اشرف المخلوقات ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا یہ احساس ذمہ داری ایسا بیدار ہو کہ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ہم ہر غریب و مفلس کی غربت و افلاس کی ٹیس اور چبھن اس طرح محسوس کریں جس طرح ایک عضو بدن میں تکلیف سے سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ جب ہم کسی غریب و مفلس کو دیکھیں تو ہمارا خواب و خور حرام ہوجائے۔

قبیلہ مضر کے کچھ لوگ جب ننگے پاؤں ننگے جسم اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی یہ خستہ حالی دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا اور حضور نبی اکرم ﷺ

کو اس وقت تک چین نہ آیا اور اس وقت تک آپ کے چہرہ انور پر بشاشت کے آثار نمودار نہ ہوئے جب تک کہ ان کی اس تنگ حالی کا ضروری سامان نہیں ہوگیا۔

(مسلم شریف، کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی صدقۃ، ۱:۳۲۷)

جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دے دینے کی نبی اکرم ﷺ نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی اپنی سواری پر سوار آپ ﷺ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی اس احتیاجی کو دیکھا تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا: جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ سواری اس آدمی کو لوٹادے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زاد راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زاد راہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل مال میں کوئی حق نہیں''۔

(صحیح مسلم، کتاب اللقطہ، ۳:۱۳۵۴، رقم ۱۷۲۸)

یہی حضور اکرم ﷺ کی حسین تعلیمات تھیں جن کی وجہ سے ایک طرف امراء و اغنیاء کے دل میں غریب کی محبت، احساس ہمدردی، خیر خواہی، غمگساری، ایثار وقربانی اور اخوت کے جذبات پیدا ہوئے۔

یُوْثِرُوْنَ ذَالحَاجَةِ وَیَحْفَظُوْنَ الْغَرِیْبَ.

''وہ صحابہ حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے اور غریب (کے حقوق) کی حفاظت کرتے ہیں''۔

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ)

دوسری طرف غریبوں کے دلوں میں اپنے امیر بھائیوں کے لئے نفرت و عداوت کی جگہ محبت، عزت و تکریم اور مرتبہ شناسی کے لطیف جذبات پیدا ہوئے اور یوں ایسا ماحول پیدا ہوا کہ امراء وغرباء کے درمیان نفرت کی ساری دیواریں گرگئیں۔۔۔ امارت و غربت کے سارے فاصلے مٹ گئے۔۔۔ معاشی و معاشرتی تفاوت ختم ہوگیا۔۔۔ امیر وغریب کی بنیاد پر طبقاتی تفریق وتقسیم نسیا منسیا ہوگئی۔۔۔ دنیا کے خود ساختہ درجات اور مراتب کا خاتمہ ہوگیا۔۔۔ چھوٹے و بڑے، امیر وغریب، قریشی و غیر قریشی، عربی وعجمی، حبشی و رومی، گورے و کالے اور آقا و غلام کے امتیازات ختم ہوگئے۔۔۔ اور سب بھائی بھائی، ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ، بہی خواہ، اور جاں نثار بن گئے۔۔۔ امراء اور غرباء میں تعاون و تکافل اور بھائی چارے کی ایسی پرسکون، پرلطف اور محبت بھری فضا پیدا ہوگئی کہ چشم فلک نے اس کا نظارہ نہ اس سے پہلے کیا تھا اور نہ آج تک کرسکی ہے۔

## تعیّشات کے بجائے سادگی کا فروغ

کسی ملک میں غربت و افلاس کا ایک بڑا سبب وہاں کے امراء بالخصوص اہل حکومت و اقتدار کا تعیّشات، اللوں تللوں شاہ خرچیوں اور رنگ رلیوں میں پڑ جانا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی آدمی حتی کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بودوباش، کھانے پینے اور دوسرے انسانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا ہے۔ VIP اور غیر VIP کی تقسیم غیر اسلامی ہے۔ نبی رحمت ﷺ سے بڑھ کر کون دنیا میں VIP ہوسکتا ہے اس کے باوجود اس شاہ دو عالم ﷺ کے دولت کدہ میں دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی۔ آپ کے لئے کبھی کپڑوں کا کوئی جوڑا تہہ کرکے نہیں رکھا گیا۔ دس لاکھ مربع میل رقبہ کے حکمران کی رہائش جس ''ایوان صدر'' یا ''وزیراعظم ہاؤس'' میں تھی اس کا طول و عرض آج بھی ''گنبد خضریٰ'' سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور اس قدسی صفات سیدالعرب والعجم کی رہائش گاہ کے ''سامان زیست'' اور ''کل دنیا'' کی تفصیل اور چشم دید

گواہی آج بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

ازواج مطہرات میں سے ہر ایک زوجہ محترمہ یا خاتون اول کا حجرہ کس قسم کے سنگ مرمر، ساگوان کی لکڑی اور ’’امپورٹڈ‘‘ سامان سے بنایا گیا تھا۔ اس کی تفصیل آج بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**ایاک والتنعم فان عباد الله لیس بالمتنعمین.**

’’عیش کوشی سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوشی نہیں کرتے‘‘۔ (مشکوٰۃ، باب فضل الفقراء، ص۴۴۹)

عام افلاس کے زمانے میں ایک صحابی کے مکان پر بالا خانہ کو پسند نہ فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ۲:۷۱۱)

پیاری لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر میں دروازہ پر پردہ دیکھا تو گھر میں داخل ہونا پسند نہ فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، ۲:۵۷۲)

وطن عزیز میں عام غربت کا ایک بڑا باعث حکمرانوں، عوامی نمائندوں اور دولت مند لوگوں کی عیش کوشی اور تعیش پسند بھی ہے۔ اسلام عیش کوشی اور تعیش پسندی کی بجائے تمام معاملات زندگی میں سادگی کو پسند کرتا ہے۔ جبکہ تعیش پسندی اور عیش کوشی میں بے شمار معاشی و اخلاقی نقصانات کے باعث اس کو سخت ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

وطن عزیز میں ہر سال حکومتی بجٹ کا ایک کثیر حصہ حکمرانوں، وزراء اور مشیران کی فوج ظفر موج، ممبران پارلیمنٹ اور افسران بالا کے تعیّشات اور غیر ضروری اخراجات کی نذر ہوجاتا ہے۔ جس کے لئے بجٹ خسارہ کو پورا کرنے کے لئے ہر سال قرضہ اٹھانا پڑتا ہے۔ قوم کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے نام نہاد حکمرانوں اور ان کے مشیروں وزیروں کے ماہانہ اخراجات کروڑوں روپے بنتے ہیں۔ عوامی نمائندوں کے لئے ہر سال بجٹ میں جو مسرفانہ مراعات رکھی جاتی ہیں اس سے اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی غریب ملک کے نمائندے ہیں۔ ایوان صدر اور وزیراعظم سیکرٹریٹ کی صرف دیکھ بھال مہمانوں کی تواضع اور دیگر ضروریات کی فراہمی کے لئے کروڑوں روپے رکھے جاتے ہیں جبکہ ملک کی اکثریت کے پاس سر چھپانے کے لئے جھونپڑی بھی نہیں۔ دوسرے سرکاری دفاتر میں بھی ہر سال کروڑوں روپیہ صرف ان کی تزئین و آرائش پر خرچ ہوجاتا ہے۔ صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی مرحوم کے بقول:

’’ہمارے حکمرانوں کا طرز معاشرت یہ پتہ دیتا ہے کہ یہ لوگ ایک ایسے ملک کے حکمران ہیں جس کے دریاؤں میں گدلا پانی نہیں شیریں اور شفاف دودھ بہتا ہے۔۔۔ جس کے درختوں پر پتے نہیں روپے اگتے ہیں۔۔۔ جس کے موسم برسات میں سونے اور چاندی کی بارش ہوتی ہے۔۔۔ اور جس میں آنے والے سیلاب دنیا جہان کی نعمتیں سمیٹ کر یہاں بکھیر دیتے ہیں۔۔۔ اسسٹنٹ کمشنر ہو یا ڈپٹی کمشنر، وزیراعلیٰ ہو یا وزیراعظم سب کا انداز معاشرت ملک کے افلاس اور عوام کی غربت کی ہلکی سی چغلی بھی نہیں کھاتا۔ اے سی کو دیکھ کر قطعاً اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی دور افتادہ تحصیل کا حاکم ہے۔ ڈی سی سے مل کر بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی مسائل زدہ ڈویژن کا انچارج ہے۔ وزیراعلیٰ کی شان و شوکت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کسی غریب صوبے کا مقتدر ہے اور نہ وزیراعظم کے قرینہ زیست سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی مقروض ملک کا چیف ایگزیکٹو ہے۔ یہ ایک مسلسل طرز عمل ہے جو برسوں سے ہمارے حکمران اختیار کئے ہوئے ہیں‘‘۔

اس غریب اور مقروض ملک کی ہر حکومت سادگی کے دعوؤں اور اعلان کے باوجود بالائی سرکاری سطح پر نہ صرف نہایت بے دردی سے اخراجات کرتی ہے بلکہ لوٹ مار اور کرپشن کا بھی ایک سیلاب مسلسل بہتا رہتا ہے جس کا اندازہ حالیہ دنوں میں نیب کی کارروائیوں کے بعد

صرف چند افراد کی ''کارکردگی'' کے طور پر سامنے آیا ہے۔

درد کے قصے نہ پوچھ، ہیں یہ طولانی بہت
جملے جملے سے اٹھ آئے گی حیرانی بہت

اور

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

عوامی سطح پر سرمایہ دار، وڈیرے اور جاگیردار اپنی اندھی دولت کے بل بوتے پر کیا گل چھرے اڑاتے ہیں اور کسی طرح غریب لوگوں کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ

پنجاب کے 0.5 فیصد ملک، ٹوانے، لغاری، مخدوم اور کھوسے صوبے کی 20 فیصد زمینوں پر قابض ہیں۔۔۔ سندھ کے ایک فیصد جام، جتوئی، سید اور پیر وہاں کے 30 فیصد رقبے پر۔۔۔ KPK کے 0.1 فیصد باچے، خٹک، آفریدی، نواب، الائی اور میر 12.5 فیصد رقبے پر حکمرانی کرتے ہیں۔۔۔ بلوچستان کے 100 فیصد جاگیردار، مری، جمالی، مینگل وہاں کی ایک ایک انچ زمین پر قابض ہیں۔۔۔ مسکین پاکستان کے 93 فیصد چھوٹے کسان صرف 37 فیصد زمین کے مالک ہیں۔۔۔ پنجاب کے 80 فیصد کسانوں کے پاس پنجاب کی کل نہری اور بارانی زمین کا صرف 7 فیصد ہے۔۔۔ سندھ کے ہاریوں اور چھوٹے کسانوں کے پاس سندھ کی کل زمین کا 12 فیصد۔۔۔ KPK کے 72 فیصد کسانوں کے پاس وہاں کا 8.2 فیصد رقبہ۔۔۔ اور بلوچستان کے 80 فیصد کسانوں اور مزدوروں کے پاس اپنی ملکیت کے لئے قبر کے برابر زمین بھی نہیں ہے۔۔۔ الغرض پاکستانی معاشرے کا ہر ظلم، زیادتی، کرپشن اور لوٹ کے نشانات اسی پانچ فیصد طبقہ کے گھروں، ڈیروں اور حویلیوں کی طرف جاتے ہیں۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سرکاری اور عوامی سطح پر مال کے ضیاع اور اسراف و تبذیر کرنے والوں پر پابندی عائد کی جائے اور حکام بالا سے لے کر نیچے تک دفاتر میں سرکاری تقریبات، خوردونوش، رہن سہن اور غیر پیداواری اخراجات میں بعض دوسرے ممالک کی طرح سادگی، کفایت شعاری اور خودانحصاری کو فروغ دیا جائے۔ تزئینات یا تکلفات و فضولیات کا شوق قرضے لے کر پورا کرنے کے بجائے معاشی خوشحالی کے حصول تک صرف ضروریات پر اکتفا کیا جائے۔

## معاشی و اقتصادی ترقی کا حصول

معاشی ترقی اور خودانحصاری ہی وہ چیز ہے جس کے باعث معاشی میدان میں ترقی یافتہ دیگر اقوام کو کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی ہونے کا موقع نہیں مل سکتا۔ پاکستان میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی کھلم کھلا مداخلت اور معاشی پالیسیوں میں دخل اندازی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس کی واحد وجہ ہماری احتیاجی ہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

کسی ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط معاشی تعمیر ہے۔ لہذا معاشی و اقتصادی ترقی غربت کے خاتمہ اور خود کفالت کے لئے ضروری ہے۔ حد درجہ معاشی تفاوت اور غربت کو ختم کرنے اور ضرورت مندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں اسلامی تعلیمات اور سیرت مصطفیٰ ﷺ سے رہنمائی لینا ہوگی ورنہ

؎ ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

انسانی زندگی پر

# مذہبی منفی سوچ کے اثرات

ایس ایچ صدیقی

پاکستانی قوم کی ثقافتی ترقی ’’دین‘‘ اور ’’مذہب‘‘ کے فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے رکی ہوئی ہے۔ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کی معاشی ترقی کے لئے اس قوم میں ثقافتی ہم آہنگی کا موجود ہونا از بس ضروری ہے۔ یہ ثقافتی ہم آہنگی کسی جغرافیائی حدود میں بسنے والی قوم کے مختلف اجزاء کی ثقافتوں کے امتزاج سے بننے والی ثقافتی یکجہتی سے وجود میں آتی ہے۔

اگر ثقافت کی بنیاد انسانی آزادی، انسانی مساوات اور یکساں معاشی مواقع کی ضمانت پر رکھی جائے تو دنیا میں موجود مسلم اکثریتی ثقافتوں اور غیر مسلم اکثریتی ثقافتوں کے مابین ایک خوبصورت امتزاج پیدا ہوسکتا ہے اور اس سے ایک ایسی عالمی ثقافت ابھر سکتی ہے جو انسان کو ترقی کی انتہائی منازل تک رسائی دلانے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ انسانی آزادی، مساوات اور یکساں معاشی مواقع یہ تینوں باتیں دراصل دین (یعنی اللہ پر ایمان اور انسانی بھائی چارہ) کی بنیادی قدریں ہیں۔

کسی بھی ملک میں رہنے والے مختلف مذہبی، لسانی ونسلی گروہ جغرافیائی اعتبار سے دراصل ایک ہی قوم کا حصہ ہوا کرتے ہیں اور وہ ایک جیسے حقوق کے مالک ہوتے ہیں۔ اس طرح کی مختلف قومیں مل کر انسانی بھائی چارہ کی بنیاد پر ایک ایسا گروہ تشکیل دینے کے قابل ہوسکتی ہیں جو انسانی ترقی کے لئے کام کرنے کے قابل ہوسکے۔ یہ سارا عمل انبیائے کرام علیہم السلام کے بتائے ہوئے دین کی بنیادی تعلیمات پر کاربند ہونے ہی سے ممکن ہے۔ اگر ہمیں آئندہ آنے والے ادوار میں ثقافتی ہم آہنگی پر مبنی انسانی بھائی چارہ تشکیل دینا ہے تو یہ ’’دین انبیاء‘‘ کو اپنا کر ہی ہوسکتا ہے۔

دنیا بھر میں آج تک مذہب کے نام پر جو فساد برپا ہوتا رہا ہے اور آج بھی برپا ہے، اور اس وجہ سے مختلف انسانی گروہوں میں جو فرق روا رکھا گیا ہے، وہ دین اور مذہب کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ جب تک ایک طرف ہر دو تصورات کے درمیان فرق کو قطعی طور پر واضح نہیں کیا جاتا اور اسے عوامی شعور کا حصہ نہیں بنا دیا جاتا اور دوسری طرف مختلف مذاہب کے مابین عقائد کے اختلاف کو برداشت کرنے کے اصول کو تسلیم نہیں کیا جاتا، اس وقت تک انسانی بھائی چارہ کے اعلیٰ جذبات کی بنیاد پر ترقی یافتہ مغربی اقوام اور پس ماندہ وترقی پذیر مشرقی اقوام میں قرب پیدا نہیں ہوسکتا۔ مسلم اقوام کو بنیاد پرستی کا جو طعنہ دیا جاتا ہے وہ بھی اپنے تمام مضمرات کے ساتھ بدستور قائم رہے گا جب تک دین اور مذہب کے اس فرق کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم نہیں کرلیا جاتا۔

## دین اور مذہب کے درمیان فرق

’’دین‘‘ سے مراد زندگی گزارنے کا طریقہ

(Way of Life) ہے۔ ''دین انبیاء'' اس طرز زندگی کو کہیں گے جس کے بارے میں تمام انبیاء علیہم السلام نے یکساں اصول وضع کئے ہیں اور جس میں انسانوں کو مادی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی ترقی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ جبکہ ''مذہب'' صرف دین کے ایک گوشہ یعنی عبادات اور اس کے متعلقات کو زیرِ بحث لاتا ہے۔

گویا اسلام کی طرف دعوت دینا درحقیقت تمام انبیاء کرام کی بنیادی تعلیمات ہی کی طرف دعوت دینا ہے اور یہ کہ دنیا کے تمام انسانوں اور قوموں کو دین انبیاء ہی کی بنیاد پر متحد کیا جاسکتا ہے اور اسی بنیاد پر انسانوں کے مابین ثقافتی ہم آہنگی پیدا کرکے اور معاشی انصاف وسماجی انصاف پر مبنی انسانی معاشرہ قائم کرکے، ایک اچھا قابل عمل نظام وضع کیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اسلام سے مراد وہ روایتی مذہب ہرگز نہیں ہے جو فرقہ پرست مذہبی رہنماؤں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔

تمام انبیاء کی طرف سے پیش کردہ دین کو ''دین انبیاء'' یا ''اسلام'' کہا جاتا ہے۔ تمام انبیاء نے فی الاصل ناصحانہ انداز میں اللہ پر ایمان لانے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ محبت اور بھائی چارہ سے مل جل کر رہنے ہی کی دعوت دی۔

انبیاء کی دعوت کے بارے میں جو بنیادی نقطہ یاد رکھنے کا ہے وہ یہ ہے کہ اس دعوت کو دوسروں سے منوانے کے لئے کسی قسم کی زبردستی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اسے ماننا نہ ماننا ہر شخص کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اللہ کے تمام رسولوں نے ہمیشہ یہی اعلان کیا ہے کہ ہم سچائی کی طرف دعوت دینے والے، نصیحت کرنے والے، اللہ پر ایمان اور اچھے اعمال کے نتائج کی خوشخبری دینے والے اور اللہ کے انکار اور برے اعمال کے نتائج سے خبردار کرنے والے ہیں اور بس۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ وہ کوئی ایسا نیا مسلک لے کر آئے ہیں جو دوسرے انبیاء نہیں لائے تھے۔ تمام انبیاء کی بنیادی دعوت ایک ہی تھی اور وہ ہر دور میں انسانوں کو سابقہ انبیاء کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے آئے تھے۔ انبیاء کی دعوت بارے اس بیّن حقیقت کو نظر انداز کردینے ہی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری امتوں میں مختلف مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہوئیں اور ہر فرقہ محض فروعات کے بارے میں عقائد کے فرق کی بنا پر دوسرے فرقوں سے لڑنے جھگڑنے لگ گیا اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوگیا۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ دانشوروں اور عوام دونوں کے شعور میں دین اور مذہب کے فرق کو واضح کیا جائے اور رجعت پسند عناصر (یعنی جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور ان کے حواری مذہبی اجارہ داروں) کی طرف سے اسلام اور مذہب کے نام پر جاہلانہ تصورات کے ذریعے عوامی شعور کو کند کرنے کی ہر کوشش کو مومنانہ فراست سے ناکام بنانے کا موثر عمل فوری طور پر شروع کردیا جائے تاکہ فرقہ پرست مذہبی عناصر اور دیگر اجارہ دار قوتوں کے یہ ہر دو حربے ناکام ہوں اور ہماری قوم (تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ مل کر) ترقی کی منزلوں کی جانب قدم بڑھاسکے۔ آیئے مذہبی طبقہ کی منفی سوچ کے انسانی زندگی پر اثرات کا جائزہ لیتے ہیں:

## سیاست اور مذہبی منفی سوچ

انسانی زندگی کے بارے میں مذہب کے غلط تصور کے سیاست پر اثرات کے نقصان کا دائرہ کار ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو محیط ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ سیاست کے اثرات صرف اسمبلیوں کی تشکیل، قانون سازی اور لا اینڈ آرڈر تک محدود نہیں ہیں۔ اچھا یا برا سیاسی عمل سوسائٹی کے پورے تار و پود کو بنانے یا بگاڑنے کا باعث بنتا ہے اور سماجی و معاشی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی سیاسی عمل ہی کے ذریعے لائی جاسکتی ہے۔

عملی سیاست میں سیاسی جماعتوں کا اور ان کے ذریعے اپنے ملک کی سیاست کا، جو حشر ہم دیکھ رہے ہیں وہ دراصل اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اپنی قیادت کے بارے میں ان رہنما اصولوں اور ذاتی مثالوں کو سرے سے نظر انداز کردیا ہے جو اپنے اپنے وقت کے بہترین انسانوں یعنی انبیاء کرام نے ہمارے سامنے رکھے ہیں۔

ہمارے سیاست دان عام طور پر قومی و ملکی مفادات پرنہیں بلکہ اپنے ذاتی وگروہی مفادات پرنظر رکھے ہوئے ہیں۔ آج سیاست کے میدان میں قدم رکھنے کے لئے سیاسی تربیت اور سماجی خدمت کے کسی ریکارڈ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔صرف دولت کے انبار اور کسی سیاسی لیڈر یا کسی حکمران کے ساتھ رشتہ داری یا قریبی تعلق کا ہونا کافی ہے اور خود اسے جوڑ توڑ کا ماہر ہونا چاہئے۔ اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ زندگی کے بارے میں کوئی مثبت سوچ مرتب کرے اور اپنے ملک کے مسائل کے بارے میں فکر مند ہو اور ان کے متعلق ضروری معلومات فراہم کرنے کی تکلیف گوارا کرے۔ بس ’’اسلام‘‘ ’’قرآن‘‘ اور ’’شریعت‘‘ کے الفاظ اس کے نوک زبان ہونے چاہئیں خواہ وہ خود ان کے مطالب سے ناآشنا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مسلم عوام اسلام اور اس کے تقاضوں کے بارے میں واضح تصور نہیں رکھتے، صرف اس سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ اس لئے محض جذباتی انداز میں ان سے مخاطب ہوکر انہیں بیوقوف بنایا جاسکتا ہے اور اپنا مطلب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ’’مذہب‘‘ کے غلط تصور ہی نے فرقہ پرستوں کو اس بات کی شہہ دی ہے کہ وہ بھی خالی خولی نعروں کی بنیاد پر سیاسی جماعتیں بناکر سیاسی اکھاڑے میں کود پڑیں اور اپنی مخصوص مذہبی وضع قطع کے بل پر سادہ لوح مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنانے کی کوشش کریں۔

کسی بھی سیاسی پارٹی کا بنیادی مقصد ملک کے مسائل کے حوالے سے اپنا منشور تیار کرنا، مسائل کے حل کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنا، اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے پارٹی کو جمہوری بنیادوں پر منظّم کرنا، معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کو کسی مثبت اور بارآور سوچ کی بنیاد پر ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا اور پھر منظّم جدوجہد کے ذریعے اقتدار حاصل کرکے اپنے منشور کے مطابق مفاد عامہ کے لئے حکومتی مشینری کو حرکت میں لانا ہوا کرتا ہے۔ مذہبی نعروں، فرقہ واریت اور تنگ نظری کی بنیاد پر علیحدہ علیحدہ سیاسی پارٹیاں بنانا سیاست کے اصول کے سراسر خلاف ہے۔ جہاں تک اسلام کے اصولوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں قوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ فروعات کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں جن کے بارے میں افہام وتفہیم کا دروازہ کھلا رہنا چاہئے۔ اس لئے اسلام کو وجہ نزاع بنانا اور اس کے بل پر نعرہ بازی کی سیاست کرنا مناسب نہیں ہے۔

اسلام کے تربیتی پہلو کا تعلق افرادِ قوم میں اچھا کردار پیدا کرنا ہے تاکہ اس طرح کے افراد مل کر ایک ایسا سماجی ڈھانچہ ترتیب دے سکیں جو انسانی زندگی کو خوشگوار اور بارآور بنا سکے۔ یہ کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے کارکن یا سیاسی لیڈر خود اپنی محنت کی کمائی پر گزارہ کرتے ہوئے قوم و ملک کی خدمت سرانجام دیں۔ ہاں اگر ریاست کو بعض مخصوص افراد کی، ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے، ہمہ وقت خدمات کی ضرورت پیش آجائے تو وہ حکومتی خزانے میں سے صرف اسی قدر لے سکتے ہیں جتنا کہ ایک عام آدمی کو سادہ، فقر و فاقہ سے آزاد اور پروقار زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہو۔ یہ نہیں کہ سرکاری معاوضوں اور دیگر ضروری مراعات کے ساتھ ساتھ وہ حکومتی اثرو رسوخ کے ذریعے مِلیں اور کارخانے بھی لگائیں اور بڑے بڑے کاروبار چمکائیں اور اس طرح ان اصل حق داروں کو ان کے حق سے محروم کردیں جو صلاحیت تو رکھتے ہیں مگر اثرو رسوخ نہیں رکھتے۔

مفاد پرست افراد کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے اب ضروری ہوگیا ہے کہ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کی خاطر حکومت کی کرسیاں حاصل کرنے والوں کو، جمہوری عمل کے ذریعے عوام کو شعور دلا کر، سیاست کے میدان سے باہر کردینے کا عمل بلا تاخیر شروع کردیا جائے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب کہ ''دین'' اور ''مذہب'' کے فرق کو اس حد تک لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کردیا جائے کہ مفاد پرست اور استحصالی عناصر مذہب کو آلہ کار کے طور پر استعمال نہ کرسکیں۔

## عوامی مفادات اور مذہبی منفی سوچ

مذہبی سوچ کے منفی اثرات عوام کے مفادات یعنی سیاسی حاکمیت، سماجی مساوات، معاشی ترقی، تعلیم، صحت، روزگار، رہائش وغیرہ پر بھی پڑے ہیں۔ مذہب کی بنیاد پر ترتیب دی گئی فرقہ بندی کا تاریخ میں کردار ہمارے سامنے ہے۔ مذہب کے پردے میں پہلی زد ہر ملک کے استحصال زدہ مظلوم عوام کے حق حکمرانی پر پڑتی ہے۔ مذہبی پیشواؤں کی طرف سے ''ملک پر عوام کی حاکمیت'' کے مسلمہ اصول کو ''پوری کائنات پر اللہ کی حاکمیت اعلیٰ'' کے اصول کے ساتھ گڈ مڈ کرکے ''عوام کی حاکمیت'' کو ''اللہ کی حاکمیت'' کی نفی قرار دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عوام کی کسی ملک پر حاکمیت کو تسلیم کئے بغیر جمہوریت کا تصور ہی مکمل نہیں ہوتا اور ایک اقلیتی استحصالی گروہ کا اکثریت پر ناروا تسلط ختم کیا ہی نہیں جاسکتا اور نہ ہی ان کے ظلم و ناانصافی سے عوام کو آزاد کرایا جاسکتا ہے۔ عوامی حاکمیت کو تسلیم کئے بغیر عوامی نمائندگی کا سارا جمہوری ڈھانچہ ہی زمین بوس ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں، زمینداروں، سمگلنگ، منشیات فروشی، بلیک مارکیٹنگ اور استحصال صنعتکاری کے ذریعے بنے ہوئے دولتمندوں، بیورو کریسی اور مذہبی پیشواؤں کے باہمی گٹھ جوڑ کے ذریعے اسمبلیوں میں عوام کی صحیح نمائندگی ہی نہیں ہونے دی جاتی۔ اسمبلیوں کی تمام تر نشستیں دولتمندوں اور فرقہ پرست ملاؤں کے باہمی تعاون کی وجہ سے استحصالی طبقوں کے قبضے میں چلی جاتی ہیں اور عوام حسب سابق اپنے مفاد کے حق میں قانون سازی کے اختیار سے محروم رہتے ہیں۔

اسلام جو معاشی نظام دیتا ہے اس کا اصل الاصول یہ ہے کہ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ معاشرے میں نادار اور مفلوک الحال افراد موجود ہوں تو اپنی ضرورت سے زیادہ جو کچھ کسی انسان کے پاس جمع ہوجائے وہ اس میں سے ایسے لوگوں پر خرچ کردے جن کی ضرورتیں پوری نہیں ہورہی ہیں۔ کسی کے پاس دولت کا جمع ہونا اور اس کے دل میں دولت سے محبت پیدا ہونا دین اسلام کی تعلیمات کی نفی ہے۔ لیکن مذہبی سوچ رکھنے والے افراد زبانی دعوؤں کے باوجود عملاً انفاق سے گریز کرتے ہیں اس لئے کہ مذہب کا نظریہ اسلام کے ساتھ رسمی وابستگی تو پیدا کرتا ہے مگر انسانی بہتری کے لئے قربانی کا جذبہ نہیں ابھارتا۔ وہ دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے مقابلے میں ایک جھوٹی انا تو پیدا کردیتا ہے لیکن ان کے حق میں جذبہ ایثار و تعاون پیدا نہیں کرپاتا۔

اسلام کے اصولوں پر قائم کی گئی ریاست ہر انسان کو روزگار، صحت اور تعلیم کی ضمانت دیتی ہے۔ لیکن مذہبی سوچ اس اصول کی نفی کرتی ہے اور ان بنیادی انسانی ضرورتوں کو ثانوی حیثیت دیتی ہے۔ اولین حیثیت اس کے نزدیک رسمی عبادات کی ہے۔

## تعلیمی نظام اور مذہبی منفی سوچ

مذہبی سوچ ملک کے تعلیمی نظام پر بھی منفی اثرات ڈالتی ہے۔ دین اسلام ایک مخصوص طرز زندگی کا نام ہے۔ اس طرز زندگی کی تعمیر کے لئے مختلف علوم و فنون سے استفادہ کیا جانا چاہئے لیکن زندگی کو مختلف خانوں میں

بانٹ دینے والے مذہبی درس و تدریس کے نظام کو تعلیم کے زمرہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ مدرسوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جانے والی موجودہ تعلیم میں دین اسلام (مذہب اسلام نہیں) کے نقطہ نظر کے مطابق بہتری تو لائی جاسکتی ہے لیکن ''دینی مدارس'' کے نام پر ایک ایسی مخلوق تیار کرنا جس کا معاشرتی زندگی اور پیداواری عمل میں کوئی مثبت اور تعمیری کردار نہ ہو، کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ''دینی مدرسوں'' کے نام سے اس وقت جو نظام تعلیم رائج ہے وہ دراصل مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے مذہبی پیشواؤں کا اپنے اپنے مسلک کے مطابق بنایا ہوا ہے جس میں اسلام، اصل ایمان، حقیقت دین، محکمات، امن، محبت اور اعمال صالحہ کے بارے میں کم اور رسوم عبادات، فقہی موشگافیوں اور متشابہات کے بارے میں زیادہ پڑھایا جاتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں تو ان مدارس میں سرے سے کچھ بتایا ہی نہیں جاتا۔ یہاں تک کہ اسلامی تاریخ کے جن فلسفیوں اور سائنس دانوں کے افکار سے یورپ نے اپنی نشاۃ ثانیہ میں فائدہ اٹھایا تھا ان کا بھی ذکر تک ان کے ہاں نہیں ہوتا۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ مذہبی مدارس کس قسم کے انسان تیار کرنے جارہے ہیں اور ان کا افراد قوم کی علمی و ثقافتی اور مادی و روحانی ترقی میں کیا کردار ہوسکتا ہے۔

## مذہبی سوچ کے حاملین کا ''عورت'' بارے نقطہ نظر

مذہبی سوچ رکھنے والوں کا عورت کے بارے میں بھی ایک خاص نقطہ نظر ہے جو عورتوں کی ترقی میں حائل ہے۔ ان کے نزدیک عورت، مرد سے کم تر مخلوق ہے اور اسے ہمیشہ مرد کے زیردست بن کر ہی رہنا ہے۔ وہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز کئے ہوئے ہے کہ اس ملک میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں تقریباً ۵۲ فی صد ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی کہ کسی بھی معاشرے کی صحیح تعمیر اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی جب تک مرد و عورت دونوں کو اپنی اپنی فطری صلاحیتوں کو پوری طرح پروان چڑھانے کے مساوی مواقع حاصل نہ ہوں اور ان سے فائدہ اٹھا کر وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرسکیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں یہ مذہبی سوچ کس حد تک رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ عورتوں کی عزت و ناموس کا مردوں کے ہاتھوں غیر محفوظ ہوجانا بھی اسی سوچ کا نتیجہ ہے۔ عورتوں کی حیثیت دینی نقطہ نظر سے کیا ہے یہ بات قرآن کی تعلیمات کے ذریعے بھی اور خاتم النبین حضور نبی اکرم ﷺ کے اپنے عمل سے بھی واضح کردی گئی ہے کہ دونوں کے مابین اک فطری تفاوت کے سوا صلاحیتوں اور حقوق و فرائض کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

## اقلیتیں اور مذہبی منفی سوچ

پاکستان کی مذہبی اقلیتوں کے بارے میں بھی مذہبی سوچ رجعت پسندانہ ہے۔ وہ مذہبی اقلیتوں کو پاکستانی معاشرہ کا حصہ نہیں مانتی۔ مذہبی منفی سوچ اسے انسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کی بہتری کے لئے سرگرم عمل ہونے کے بجائے نسلی، لسانی، مذہبی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ایک دوسرے کے ساتھ متعصّبانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے اور قوم کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ دیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں انسانی بھائی چارہ کو فروغ دینا ممکن نہیں رہتا اور معاشرے میں یگانگت اور ہمدردی کے اعلیٰ جذبات پرورش نہیں پاسکتے۔ اس کے برعکس دین اسلام کا تصور کسی بھی ملک کی مذہبی اکثریت کے ساتھ بسنے والی مذہبی اقلیتوں کو ایک ہی قوم کا جز قرار دیتا ہے اور سب کو ایک جیسے حقوق کا حق دار تسلیم کرتا ہے۔

## ثقافت اور مذہبی منفی سوچ

کسی بھی قوم کی ثقافت اس قوم کے ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ ہونے کا پیمانہ ہوا کرتی ہے۔ معیشت قوم کی مادی ترقی کو آگے بڑھانے کا آلہ ہے جبکہ ثقافت اس کی روحانی ترقی کا ذریعہ۔ ثقافت کا تعلق علم و ہنر، فن تعمیر، فنون لطیفہ، لوک کہانیوں، تہواروں، میلوں اور تصوف کی رعنائیوں سے ہے۔ ثقافت انسانی تعلقات میں لطف و کرم، جودت و رحمت، ذوق جمال، جنسی پاکیزگی اور باہمی ہمدردی و تعاون کی راہیں ہموار کرتی اور افہام و تفہیم اور تحمل و بردباری کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ گویا انسانی زندگی کو سکون و آرام اور خوش پوشی و خوش اخلاقی اور حسن جمال کے زیوروں سے آراستہ کرنے میں ثقافت کا بہت بڑا کردار ہے۔ دین، ثقافت کو انسانوں میں تمام اعلیٰ اوصاف کو پروان چڑھانے کا ذریعہ بناتا ہے۔

لیکن مذہب کے نام نہاد علمبردار سادہ لوح عوام پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے ثقافت کے اثر سے ابھرنے والے تمام اعلیٰ جذبات کو خشک و بے نتیجہ مذہبی رسومات کی بھینٹ چڑھادیتے ہیں۔ یہ مذہبی رہنما اللہ تعالیٰ کے انسان کے ساتھ محبت کے رشتے اور انسانی کوتاہیوں سے درگزر کرنے کی صفت کو لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے بجائے ان کے دماغوں پر خدا کے غیض وغضب، دوزخ کے خوف اور جنت کی لالچ کو مسلط کرکے انہیں جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتے ہیں اور پھر اللہ کی خوشنودی دلانے کے لئے پرفریب طریقوں سے لوگوں کے دکھ درد کا علاج کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نیک اعمال اور فرائض کی ادائیگی کے بغیر ہی جنت کے سرٹیفیکیٹ بھی تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔

## حکومتی معاملات اور مذہبی منفی سوچ

مذہبی نقطہ نظر کی وجہ سے پوری حکومتی مشینری بھی متاثر ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ صدر اور وزیراعظم سے لے کر وزراء اور اعلیٰ حکام تک اپنی ضرر رساں پالیسیوں اور جوڑ توڑ کی کارروائیوں کو مذہب کے پردے سے ڈھانپنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اپنی کوتاہیوں کو عوام کے سامنے جوابدہی کے احساس کی بنیاد پر محنت و جانفشانی اور نیک نیتی سے دور کرنے کے بجائے ''اللہ کے فضل و کرم سے''، ''ان شاء اللہ''، ''اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے''، جیسے بناوٹی الفاظ استعمال کرکے اپنی عوامی مفاد کی منافی سوچ اور کارروائیوں کو عوام کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ وہ اللہ کا نام اس طرح استعمال کرتے ہیں جیسے اللہ کی ذات کا تعلق صرف انہی سے ہے اور بقیہ انسانی مخلوق سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں وہ نام نہاد مذہبی پیشواؤں کو بھی استعمال کرتے ہیں جو اپنے زیر اثر لوگوں کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ حکومت عوام کے مفاد کے لئے مستعد ہے اگرچہ وہ استحصالی طبقوں ہی کی کیوں نہ ہو اور عوامی مفاد کے منافی کام کررہی ہو۔

مذہبی فکر کا اثر عمومی طور پر چھوٹے حکومتی اہلکاروں پر بھی پڑتا ہے۔ وہ اپنے کاموں کو پوری آمادگی سے نمٹانے کی بجائے تقدیر کا جھوٹا سہارا لیتے ہیں یا پھر بے جا مراعات اور رشوت کے چکروں میں پڑ جاتے ہیں۔

اس ساری بحث سے مقصود یہ بات واضح کرنا ہے کہ انبیاء کرام نے جو اپنے اپنے وقت کے بہترین انسان تھے، اس وقت کے انسانوں کے لئے دنیا میں بہتر زندگی گزارنے کے لئے جو طریقے بتائے ان میں بنیادی نقطہ ''ایمان اور عمل صالحہ'' کا تھا۔ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ تمام انسان مساوی حیثیت کے مالک ہیں اور ان کے بنیادی حقوق یکساں ہیں، کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ دوسرے انسان کو سیاسی، معاشی یا سماجی حیثیت سے اپنا زیردست بنائے۔ انسانوں کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کی نسلی،

گروہی، لسانی، مذہبی و فرقہ وارانہ تعصّبات سے بالاتر رکھ کر اپنی فطری صلاحیتوں کو ایک دوسرے کے تعاون سے بروئے کار لائیں اور اپنے ہم مسلک، ہم قوم اور انسانی رشتے میں منسلک دوسری قوموں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اس کام میں لگائیں کہ وہ قدرت کے عطا کردہ ذرائع و وسائل کو استعمال میں لاکر مادی و روحانی ترقی کی انتہائی منزلوں تک پہنچیں اور اس راہ میں انسانی کمزوریوں کو حائل ہونے سے باز رکھنے کے لئے اس حقیقت کو ہمہ وقت یاد رکھیں کہ اس کائنات اور انسان کو بنانے والی ہستی نے جو نظام وضع کیا ہے اس میں انسانی اعمال کی جوابدہی مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، ایک انسان کو زندگی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے کے اجتماعی عمل میں دوسرے انسانوں سے جو واسطہ پڑتا ہے اس کی بنیاد محبت و شفقت، عفوو درگزر، اعتماد و تعاون، افہام و تفہیم اور تحمل و بردباری پر ہونی چاہئے۔ یہی انسانی زندگی کا مقصد وحید ہے۔

رہیں عبادات، تو یہ دراصل اللہ کی ہستی کے اقرار، اللہ کی بندگی کے اظہار، تکمیل ذات اور زندگی کی جدوجہد میں کامیابی کے لئے اللہ سے استعانت اور قدم قدم پر اللہ کا شکر ادا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ عبادات، سچائی کی راہ پر قائم رہنے اور برائی کی قوتوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مددگار قوتیں ہیں بشرطیکہ ان کا رشتہ عقل وشعور کے ساتھ جوڑا جائے اور محض رسم عبادت کے طور پر انہیں ادا نہ کیا جائے۔ ''دین انبیاء'' کی تعلیم میں سماجی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ عبادات کی ادائیگی کا ایک جامع نظام بھی موجود ہے۔ سماجی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو نظر انداز کرکے عبادات میں انہماک ایک باطل تصور ہے جو مذہبی سوچ ہی کا وضع کردہ شاہکار ہے۔ اس سوچ کے بھنور میں سے ہم جس قدر جلد نکل آئیں گے اسی قدر سبک رفتاری سے ہم دین اسلام کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہوسکیں گے۔

## اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم مختار علی معصومی (رحیم یار خان) کا بھتیجا محترم محمد سرور ناصر (لاہور)، محترم محمد جمشید ڈوگر (صدر یوتھ لیگ شیخوپورہ) کے دادا جان، محترم الحاج محمد یوسف (لالکے۔ فاروق آباد)، محترم رانا ممتاز (سچا سودا۔ فاروق آباد) کی والدہ، محترم حکیم عبدالمجید (فیصل آباد) کے والد، محترم محمد سعید آصف (حافظ آباد)، محترم غلام سرور وڑائچ (صدرTMQ گجرات) کے والد، محترم عبدالمنان غوری (ڈیرہ غازی خان)، محترم راجہ نثار احمد (دھیرکوٹ آزاد کشمیر) کی جواں سالہ بیٹی، محترم حاجی سردار یونس عباسی (راولاکوٹ)، محترم محمد طاہر اور محترمہ سعدیہ مصطفوی (کینیڈا) کی بیٹی ایمان خان، محترم مجاہد رشید (ممبر ایگزیکٹو MQI کویت) کی والدہ، محترم محمد عباس (صدر زونل تنظیم فروانیہ۔ کویت) کی والدہ، محترم سلطان محمود چغتائی (زونل صدر فہاہیل۔ کویت) کے والد، محترم محمد ریاض انجم (نائب صدر TMQ وہاڑی) کی والدہ، محترم مشتاق علی سہروردی (سابقہ امیر تحریک KPK) کے ماموں، محترم ڈاکٹر محمد سرور اور ڈاکٹر عبدالخالق (ہارون آباد) کے والد، محترم اللہ دتہ طاہر منہاجین (سابق پروفیسر COSIS) کے والد، محترم صفدر اقبال (احمد والا للیانی) کی والدہ، محترم سرفراز احمد (للیانی) کی اہلیہ، محترم ڈاکٹر محمد یعقوب (للیانی)، محترم چوہدری محمد ناظم گجر (چک نمبر 5 للیانی) کی والدہ اور محترم محمد امین (ہمن للیانی) کے والد قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

# جمہوری نظام اور بلدیاتی ادارے

معین الحق بغدادی

کسی بھی مضبوط جمہوری نظام میں بلدیاتی اداروں کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد 1959ء میں پہلی بار جنرل ایوب خان کے دور میں بلدیاتی جمہوریتوں کا نظام متعارف کرایا گیا۔ جسے بعدازاں 1962ء کے دستور میں شامل کیا گیا۔ بنیادی جمہوریتوں کے اس نظام پر دس ہزار کی آبادی پر مشتمل یونین کونسل سب سے نچلے درجے کی مقامی کونسل تھی۔ یونین کونسل کے ارکان میں دس منتخب اور 5 نامزد ہوتے تھے جنہیں بی ڈی ممبر کہا جاتا تھا۔ یونین کونسل کا سربراہ چیئرمین کہلاتا تھا۔ یونین کونسل کے دائرہ کار میں مقامی سطح پر امن و امان کے قیام اور زراعت کی ترقی میں کردار ادا کرنا اور مقامی آبادی کے مختلف مسائل حل کرنا تھا۔ مقامی منصوبوں کیلئے یونین کونسل ٹیکس عائد کرنے کی مجاز تھی۔ صدر پاکستان کے انتخابات کیلئے یہی ارکان ووٹ ڈالتے تھے۔ اسی طرح تحصیل کونسل اور ضلع کونسل کے ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں ڈپٹی کمشنر کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ 1969ء میں ایوب خان کی حکومت کی رخصتی کے ساتھ یہ نظام بھی رخصت ہوگیا۔

دوسری بار لوکل گورنمنٹ سسٹم جنرل ضیاء الحق نے 1979ء میں نافذ کیا جس کے مطابق شہری اور دیہی دو طرح کے ادارے وجود میں آئے۔ شہروں میں ٹاؤن کمیٹی، میونسپل کمیٹی، میونسپل کارپوریشن اور میٹرو پولیٹن کارپوریشن وجود میں آئیں اور دیہی سطح پر یونین کونسل، تحصیل کونسل اور ضلع کونسل کے ادارے وجود میں آئے۔ ان اداروں کے ارکان کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوتا جو کہ اپنے میئر یا چیئرمین کا انتخاب کرتے۔

تیسری بار 2001ء میں مملکت خداداد کو بلدیاتی نظام پھر ایک فوجی حکمران جنرل پرویز مشرف نے نئے انداز میں دیا۔ نئے بلدیاتی نظام کے تحت تین سطح پر مقامی حکومتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ضلعی سطح پر ضلع ناظم ضلعی حکومت کا سربراہ بنایا گیا۔ اسی طرح تحصیل ناظم اور یونین کونسل ناظم اپنی اپنی سطح پر سربراہ بنے۔ ڈی سی او کو ضلع ناظم کی سربراہی میں ضلعی انتظامیہ کا سربراہ بنایا گیا جس کے ماتحت مختلف محکموں کے ای ڈی او، ڈی او اور ڈی ڈی اوز وغیرہ تھے۔ اس نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس میں ڈسٹرکٹ ''مجسٹریسی'' سسٹم ختم کر دیا گیا۔

2008ء کے بعد آج تک ملک شراکتی جمہوریت کے بنیادی ڈھانچے یعنی بلدیاتی انتخابات سے محروم ہے۔ بلاشبہ پرانے بلدیاتی نظام میں خرابیاں موجود تھیں مگر ان خامیوں کو ختم کر کے بلدیاتی انتخابات کا انعقاد انتہائی ضروری تھا کیونکہ نچلی سطح پر عوام کے لاتعداد مسائل کا حل بلدیاتی انتخابات کے انعقاد میں ہی

مضمر ہے۔عوام کو گھر کی دہلیز پر انصاف فراہم کرنے کیلئے یہی کارآمد اور آزمودہ نظام ہے۔

جنرل مشرف کے دور حکومت کے بعد آئین میں اٹھارویں ترمیم کی رو سے بلدیاتی اداروں کے حوالے سے قانون سازی کا اختیار صوبوں کو دے دیا گیا۔صوبوں کی طرف سے قانون سازی میں کافی تاخیر ہوئی اور صوبوں میں سے سب سے پہلے بلوچستان نے لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2010ء پاس کیا جبکہ پنجاب ،سندھ اور خیبر پختونخوا نے 2013ء میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ پاس کیے۔

لوکل گورنمنٹ ترمیمی ایکٹ کم و بیش لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979ء سے ملتے جلتے ہیں کیونکہ ان میں 2001ء کے بلدیاتی نظام کی طرح اختیارات کی نچلی سطح پر تقسیم کا اہتمام موجود ہے۔تمام صوبوں نے جو قوانین بنائے ہیں ان کے مطابق صوبائی وزیر کی سربراہی میں صوبائی فنانس کمیشن کام کرے گا اور کونسلیں صوبائی فنانس کمیشن ایوارڈ کے ذریعے فنانس کا حصہ وصول کرینگی۔ کونسلوں کے پاس کم سے کم ٹیکس عائد کرنے کا اختیار ہو گا۔ پنجاب اور بلوچستان لوکل گورنمنٹ ایکٹس کے مطابق ضلع کونسلیں صوبائی حکومت کی ہدایت کے مطابق اپنی ذمہ داریاں ادا کریں گی جبکہ سندھ اور KPK میں کونسلوں کو زیادہ بااختیار بنانے کی کوششیں نظر آتی رہیں۔

## جمہوری حکومتیں اور بلدیاتی انتخابات سے انحراف

ہمارے ہاں رائج جمہوریت پر سرمایہ دار اور جاگیردار طبقے کا قبضہ رہا ہے۔ یہ نااہل پیسے کے بل بوتے پر اہل لوگوں کو انتخاب میں شکست دیتے ہیں۔ پیسے کے بے دریغ استعمال کے بعد ان لوگوں کی نظر اپنے خرچ کیے ہوئے پیسے پورے کرنے اور اپنی آئندہ نسلوں کیلئے قومی خزانہ لوٹنے پر لگ جاتی ہے۔ اپنے حلقے کے تمام ترقیاتی فنڈز حکومتی خزانے سے جاری ہونے کے بعد متعلقہ ایم این اے اور ایم پی اے کے صوابدیدی فنڈ بن جاتے ہیں اور پھر اگر اس عوامی ترقیاتی بجٹ کا کچھ حصہ خرچ کرنا مقصود ہو تو پھر عوامی مفاد کے بجائے ذاتی اور پارٹی مفاد کو مدنظر رکھ کر خرچ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ بلدیاتی انتخابات کے حق میں نہیں ہوتے کیونکہ اس صورت میں ترقیاتی بجٹ ایم این اے کے بجائے براہ راست بلدیاتی نمائندوں کو ملتا ہے۔بلدیاتی نظام میں عوام کا نمائندہ انہی میں سے ہوتا ہے، وہیں رہتا ہے، اسی یونین کونسل، تحصیل یا ضلع میں اس کا دفتر ہوتا ہے، لوگ آسانی سے اپنے نمائندوں سے مل سکتے ہیں اور اپنے مسائل بتاسکتے ہیں۔ اس طرح بڑے بڑے مسائل جنم نہیں لیتے مگر ایک عام آدمی کا ایم این اے یا وزیر کو ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ جب عوام اور نمائندے کے درمیان فاصلہ بڑھتا ہے تو مسائل جنم لیتے ہیں اور یہ مسائل بالآخر الگ صوبوں کے مطالبے پر منتج ہوتے ہیں اور یہ مطالبہ انتظامی بنیادوں کے بجائے نسلی ولسانی بنیادوں پر ہوتا ہے۔

قائد انقلاب ڈاکٹر محمد طاہر القادری (چیئرمین پاکستان عوامی تحریک) پاکستان میں رائج جمہوریت کو جمہوریت نہیں مجبوریت کہتے ہیں کیونکہ اصل جمہوریت تو عوامی شراکتی جمہوریت ہوتی ہے جس میں عوام اپنے نمائندوں کو کنٹرول بھی کرسکتی ہو مگر پاکستان میں رائج مجبوریت میں عوام کے نمائندے منتخب ہونے کے بعد غائب ہو جاتے ہیں اور پھر دوسرے انتخاب میں جھوٹے وعدوں کے لالی پاپ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ پورے پانچ سال عوام ٹوٹی گلیوں، ابلتے سیوریج سسٹم کی اصلاح کیلئے نئے انتخابات کا انتظار کرتے ہیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں۔ اگر مضبوط بلدیاتی نظام موجود ہو تو پھر ایم این اے اور ایم پی اے ترقیاتی کاموں سے بے نیاز ہوکر قانون سازی پر توجہ دیں گے

تو ملکی ترقی کے امکانات روشن ہونگے۔

قابل افسوس امر یہ ہے کہ جمہوریت، جمہوریت کا کھیل کھیلنے والی سیاسی جماعتوں نے آج تک اس ملک میں بلدیاتی انتخابات نہیں کروائے حالانکہ یہ جمہوریت کی بنیاد ہیں، جہاں سے جمہوریت پروان چڑھتی ہے اور گراس روٹ لیول سے قیادت تیار ہوتی ہے۔ جو شخص ایک یونین کونسل کا ممبر یا ایک تحصیل و ضلع کا چیئرمین رہا ہو وہی عوام کے مسائل سمجھ سکتا ہے نہ کہ وہ جاگیردار و سرمایہ دار جو غریب عوام کے اصل حالات سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ بلدیاتی نظام کا خوف اشرافیہ پر اس قدر حاوی ہے کہ اگر بلدیاتی الیکشن ہوتے ہیں تو سب سے بڑا نقصان مالی اور انتظامی اختیارات سے محرومی کی صورت میں اشرافیہ کے سامنے آتا ہے۔

2008 تا 2013ء پانچ سال پیپلز پارٹی کی حکومت ہونے کے باوجود جمہوریت کی دعویدار یہ جماعت بلدیاتی انتخابات کا انعقاد نہ کرواسکی۔ پیپلز پارٹی کے بعد جب حسب وعدہ و معاہدہ ن لیگ کی باری آئی تو انہوں نے بھی بلدیاتی انتخابات کرانے سے پہلو تہی کی۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ کی برہمی اور بار بار نوٹس کے باوجود پہلو تہی ہوتی رہی۔ بالآخر بلوچستان اور KPK نے یہ میدان مار لیا اور سب سے پہلے بلدیاتی انتخابات کا انعقادکرایا۔ اب حکومت پنجاب پر سپریم کورٹ اور عوام کے دباؤ پر بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کے سواء کوئی چارہ نہیں تو ان نام نہاد جمہوریوں نے بلدیاتی نظام میں تبدیلی کرنا شروع کردی ہے اور ایک ایسا بلدیاتی نظام لانا چاہ رہے ہیں جس میں حقیقی اختیارات عوامی نمائندوں کے پاس نہ ہوں بلکہ حکمرانوں کی اپنی جیب میں ہوں۔

نئے نظام کے تحت:

☆ ضلعی ناظم، تحصیل ناظم کے عہدے ختم کر کے چیئرمین، وائس چیئرمین ،ضلع کونسل، میئر اور ڈپٹی میئر کے عہدے متعارف کرائے گئے ہیں۔

☆ نئے نظام کے تحت ٹاؤن اور ضلعی ناظمین کی جگہ میونسپل کمیٹی، میونسپل کارپوریشن اور ضلع کونسل کے نام سے بلدیاتی ادارے قائم ہونگے۔

☆ انتخابات کے بعد ڈی سی او کا عہدہ ختم کر کے اس کی جگہ سابقہ عہدہ ڈپٹی کمشنر بحال کر دیا جائیگا۔

☆ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ڈی سی او کا عہدہ ختم ہوگا جبکہ اس کے اختیارات میں مزید اضافہ ہوگا اور سارے نظام کا مکمل کنٹرول وزیراعلیٰ اور بیوروکریسی کے پاس ہی رہے گا۔ عوامی نمائندے صرف کاغذی کارروائیوں کی حد تک ہونگے۔

☆ دوسری جانب ترقیاتی کاموں سے لیکر انتظامی امور کی مکمل دیکھ بھال ضلعی بیوروکریسی ہی انجام دے گی جس کے باعث بلدیاتی الیکشن میں کثیر رقم لگا کر کامیابی حاصل کرنے والے عوامی نمائندوں کا مکمل انحصار میئر یا ڈپٹی میئر کے بجائے بیوروکریٹس پر ہوگا جس سے ون مین شو کو فروغ ملے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا نظام اس ملک میں صرف اشرافیہ اور چند مقتدر خاندانوں کو اقتدار کے ایوانوں تک پہنچانے کیلئے وضع کیا گیا ہے اس لیے بلدیاتی نظام میں بھی تبدیلی کر کے ایک بار پھر عوامی اختیارات کو اشرافیہ کے ہاتھوں میں دینے کا بندوبست کیا گیا ہے۔

## بلدیاتی نظام۔۔ قائد انقلاب کا ویژن

قائد پاکستان عوامی تحریک ڈاکٹر طاہر القادری کے ویژن کے مطابق موجودہ نظام میں رہتے ہوئے کبھی بھی پاکستان کو ایک حقیقی جمہوری و فلاحی ریاست نہیں بنایا جا سکتا۔ اس مقصد کیلئے موجودہ سیاسی و انتخابی نظام میں کچھ بنیادی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ پاکستان کا موجودہ نظام حکومت 1850ء میں انگریز کا قائم کردہ نظام ہے جس

میں اختیارات صرف چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہم ایسا نظام چاہتے ہیں جس کا ماڈل حضور نبی اکرم ﷺ نے دیا تھا۔ پاکستان کیلئے ہمارا رول ماڈل ریاست مدینہ ہے۔ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو ریاست بنایا تو Participatory democracy (شراکتی جمہوریت) دی اور Power of devolution کے ذریعہ اختیارات کو نچلے درجے تک منتقل کیا۔۔۔ دس دس آدمیوں کے یونٹس پر ان کا سربراہ نقیب بنایا۔۔۔ دس نقیبوں کے اوپر ان کا سربراہ عریف بنایا۔۔۔ اور پھر سو سو عرفاء پر مشتمل پارلیمنٹ بنائی۔۔۔ اس نظام کے تحت عام آدمی کی براہ راست حکمرانوں تک رسائی تھی اور حکمرانوں کا براہ راست عوام سے رابطہ تھا، نتیجتاً لوگوں کے مسائل فوری حل ہوتے تھے۔ لہٰذا آج پاکستان کو بھی اس مدینہ ماڈل کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔ اس ماڈل کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے نظام کو بہتر طریقے سے چلانے کیلئے قائد انقلاب نے جس نظام کا خاکہ پیش کیا اس میں سے چند تجاویز اختصار کے ساتھ نذرِ قارئین ہیں:

## وزیر اعظم کا انتخاب براہ راست ہو

وزیر اعظم کا انتخاب اراکین اسمبلی نہ کریں بلکہ جنرل الیکشنز میں براہ راست عوام کے ووٹ سے ہو تاکہ وزیر اعظم قائد ایوان نہ ہو بلکہ قائد عوام ہو۔

## وزراء کی تقرریاں میرٹ پر ہوں

وزراء کا انتخاب میرٹ پر ہو، ذاتی پسند و ناپسند اور اتحادی پارٹیوں میں وزارتوں کی بندر بانٹ کی بجائے وزراء کا تقرر پارلیمانی کمیٹی کے ذریعے میرٹ پر کیا جائے۔ وہ کمیٹی تمام امیدواروں کا انٹرویو کرے اور اہل، قابل اور با صلاحیت افراد ہی وزیر بنیں۔ جو ممبر جس محکمہ کا وزیر بنے اس کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہو تاکہ افسر شاہی اور بیوروکریسی کو من مانی کرنے کا موقع نہ ملے۔

## نظام انتخابات میں مثبت تبدیلیاں کی جائیں

انتخابات متناسب نمائندگی کے نظام پر Partylist system کے مطابق ہوں تاکہ عوام برادری اور علاقائی مسائل کی بنیاد پر Winning horses کو ووٹ نہ دیں بلکہ سیاسی جماعتوں کو ان کی قیادت، منشور اور قومی پالیسیوں کے مطابق ووٹ دیں۔

## انتظامی بنیادوں پر نئے صوبے قائم ہوں

لسانی اور نسلی بنیادوں پر نئے صوبے بنانے کی بجائے انتظامی بنیادوں پر ہر ڈویژن کو صوبے کا درجہ دے کر تمام صوبائی اخراجات ختم کئے جائیں تاکہ عوام کا سرمایہ عوامی فلاحی منصوبوں پر خرچ ہو۔ ہر صوبے کا گورنر عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو، صوبائی سطح پر وزراء نہ ہوں۔ موجودہ شعبہ جاتی سربراہان گورنر کے ماتحت ہوں جو اس کے احکامات کے مطابق کام کریں۔

## تمام اختیارات نچلی سطح پر منتقل ہوں

☆ اختیارات نچلی سطح پر منتقل ہوں، مرکز کے پاس کرنسی، دفاع، خارجہ پالیسی، ہائر ایجوکیشن، Inland Security & counter terrorism جیسے بنیادی محکمے ہوں۔ باقی محکمے صوبوں اور ضلعی حکومتوں کو منتقل کر دیئے جائیں۔

☆ مقامی حکومتوں کے انتخابات کرائے جائیں، مالی و انتظامی اور سیاسی اختیارات انہیں منتقل کئے جائیں۔

☆ ہر ضلع کا سربراہ میئر ہو جو براہ راست عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو۔ ضلع، پولیس، ایڈمنسٹریشن اور جملہ ضلعی محکمہ جات اس کے تابع ہوں۔

☆ ہر تحصیل کا سربراہ ڈپٹی میئر ہو، وہ بھی عوام کے ووٹوں سے براہ راست منتخب ہو اور تحصیل کے تمام محکمہ

جات اس کے تابع ہوں۔

☆ گورنر، میئر اور ڈپٹی میئر کم از کم 51 فی صد اکثریت سے منتخب ہوں۔

☆ تحصیل کے بعد یونین کونسل سطح پر مقامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے، جس میں ناظم، نائب ناظم اور کونسلرز عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوں اور ہر طبقے کا نمائندہ اسی یونین کونسل میں موجود ہو۔

## عوامی منشور

قائد انقلاب نے نظام حکومت کا خاکہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی فلاح و بہبود کیلئے ایک منشور بھی پیش کیا جسے عوامی حلقوں میں بڑی پذیرائی ملی۔ اس وقت کیونکہ بلدیاتی انتخابات کی آمد آمد ہے لہٰذا ان نکات کا یہاں ذکر کرنا انتہائی ضروری ہے:

1۔زرعی اراضی کی حد کا تقرر: ایک خاندان کیلئے زرعی اراضی کی زیادہ سے زیادہ حد 50ایکڑ مقرر ہو تا کہ جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہو۔

2۔کسان زمین کا مالک: بے زمین کسان کو مفت زمین ملے تا کہ دھرتی کا سینہ چیر کر ساری عمر قوم کو اناج فراہم کرنے والا غریب کسان صرف مزارع ہی نہ رہے بلکہ زمین کا مالک بھی بنے۔

3۔ روزگار الاؤنس: ہر نوجوان کو روزگار میسر ہو یا (روزگار میسر آنے تک ) دس ہزار روپے ماہانہ بے روزگاری الاؤنس ملتا ہو تا کہ نوجوانوں کو ملکی ترقی کے دھارے میں شامل کر کے کارآمد اور موثر فرد بنایا جاسکے۔

4۔منافع میں محنت کشوں کی شراکت: استحصالی سرمایہ داریت کا نام و نشان تک نہ ہو اور تمام ملوں اور فیکٹریوں کے منافع میں مزدور 50فی صد تک حصہ دار ہوں تا کہ ملک وقوم کیلئے اپنا خون پسینہ ایک کر دینے والے غریب محنت کش بھی ترقی کے حقیقی ثمرات سے مستفید ہوں۔

5۔دہشت گردی کے خلاف قومی پالیسی: دہشت گردی کے خاتمے کی قومی پالیسی بنا کر دہشت گردوں کو قرار واقعی سزا دی جائے تا کہ پاکستان امن کا گہوارہ ہو اور اقوام عالم کی صف میں نمایاں مقام پر کھڑا ہو سکے۔

6۔سستا اور فوری انصاف: ہر شہری کو اس کی تحصیلی اور ضلعی عدالتوں میں ہی سستا اور فوری انصاف فراہم ہو، جج غیر سیاسی ہوں اور ججوں کی تعداد میں مناسب اضافہ ہو۔

7۔SHO کا تقرر: متعلقہ علاقے کے تھانے میں SHO متعلقہ علاقہ سے ہو اور اس کی منظوری یونین کونسل دے۔

8۔ میٹرک تک مفت تعلیم: یکساں نصاب کے تحت میٹرک تک لازمی اور تعلیم مفت ہو اور اعلیٰ تعلیم کیلئے ہر خواہش مند طالبعلم کو مناسب موقع ملے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC کی جاری کردہ ڈگریاں کینیڈا، امریکہ اور انگلینڈ کی یونیورسٹیوں کے برابر ہوں۔

9۔علاج: تمام شہریوں کو یکساں اور مفت علاج کی سہولت میسر ہوں۔

10۔خواتین کیلئے یکساں مواقع: خواتین کو مساوی مواقع اور مکمل سماجی و معاشی تحفظ فراہم کیا جائے اور انکے خلاف تمام امتیازی قوانین ختم ہوں۔

11۔ٹیکس صرف امیروں پر: امیروں پر ٹیکس کی شرح اور متوسط طبقہ پر کم ہو جبکہ غریبوں پر بالواسطہ اور بلاواسطہ کسی طرح کا بھی ٹیکس نہ ہو۔

12۔یوٹیلٹی بل پر ٹیکسز کا خاتمہ: غریب و متوسط گھرانوں کیلئے بجلی، پانی، گیس اور فون کے بلوں میں ٹیکسز نہ ہوں۔

13۔تنخواہوں میں غیر عادلانہ فرق کا خاتمہ: سرکاری اور غیر سرکاری اور بڑے چھوٹے ملازمین کی تنخواہوں میں پایا جانیوالا غیر عادلانہ فرق کم سے کم ہو۔

14۔صوابدیدی اختیارات کا خاتمہ: صدر، وزیراعظم، گورنر اور وزراء اعلیٰ کے پاس بے تحاشہ صوابدیدی اختیارات اور خصوصی مراعات بالکل نہ ہوں۔ نیز ایم این ایز اور ایم پی

ایز کو صوابدیدی اور ترقیاتی فنڈ دینے کا سلسلہ بند ہو۔

آپ غور سے مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ قائد انقلاب نے کس انداز میں موجودہ حالات اور مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نظام وضع کیا جس میں مالی وسائل اور اختیارات نچلی سطح تک منتقل کرنے کا خاکہ موجود ہے۔ اب شاید کچھ لوگ یہ سوچ رہے ہوں کہ PAT نے ایک نیا نظام پیش کیا ہے تو ہمیں پرانے نظام کے تحت انتخابات میں حصہ نہیں لینا چاہیے مگر صورتحال کچھ یوں ہے کہ پاکستان عوامی تحریک کی اپنے مقاصد و اہداف کیلئے کوشش جاری رہے گی مگر ساتھ ہی ساتھ مروجہ سیاست کے ذریعہ اپنی نمائندگی کی کوشش بھی جاری رہے گی تا کہ عوام سے رابطے کا سلسلہ ختم نہ ہو اور پاکستان عوامی تحریک عوامی مسائل سے بخوبی آگاہ بھی رہے اور حسب استطاعت ان مسائل کے حل کے لئے اپنا کردار بھی کر سکے۔

خیبرپختونخوا میں بلدیاتی انتخابات میں پاکستان عوامی تحریک کے پاس تیاری کیلئے وقت بہت کم تھا جس کی وجہ سے بہت کم جگہوں پر اپنے نمائندے کھڑے کر سکے مگر دیگر جماعتوں کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ اور تعاون کی صورت میں یوتھ، ویمن، کسان کونسلر کی سیٹوں پر PAT کے 77 کارکنان منتخب ہوئے۔ اب پنجاب وسندھ کے بلدیاتی انتخابات کے پہلے مرحلے کیلئے بھی پاکستان عوامی تحریک موٹر سائیکل کے انتخابی نشان پر بھرپور حصہ لے رہی ہے۔

پاکستان عوامی تحریک کے جملہ کارکنان بلدیاتی انتخابات کے لئے خوب محنت کریں، زبردست مہم چلائیں اور قائد انقلاب کے انقلابی ویژن کو گھر گھر تک پہنچائیں۔ ہم انتخابات کے میدان کو بھی خالی نہیں چھوڑیں گے اور انقلاب کے لئے بھی اپنا سفر جاری رکھیں گے۔

## انا للہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل مرکزی قائدین و سٹاف ممبران کے اعزاء و اقارب انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ محترم احمد نواز انجم (نائب ناظم اعلیٰ تنظیمات) کی والدہ محترمہ

☆ محترم شہزاد رسول قادری (ڈائریکٹر پبلک ریلیشنگ TMQ اور چیف آرگنائزر بزم قادریہ منہاج یونیورسٹی) کی والدہ محترمہ

☆ محترم ڈاکٹر علی اکبر قادری (چیف ایڈیٹر ماہنامہ منہاج القرآن) کے بہنوئی

☆ محترم محمد یوسف منہاجین (ایڈیٹر ماہنامہ منہاج القرآن) کے چچا محترم محمد فاروق بانیاں (نکیال۔ آزاد کشمیر)

☆ محترم محمد عاصم (سیکیورٹی ممبر مرکز) کے والد محترم

☆ محترم محمد اصغر انجینئر (نظامت تعمیرات) کی والدہ محترمہ

☆ محترم یاسر خان (سیکیورٹی انچارج) کے بہنوئی

☆ محترم محمد عمر (آفس سیکرٹری نظامت اجتماعات) کے والد محترم

☆ محترم ڈاکٹر محمد اکرم رانا (ڈین شعبہ اسلامیہ منہاج یونیورسٹی) کے برادر نسبتی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران نے مرحومین کی مغفرت کیلئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

# بچوں کی تعلیم و تربیت
## اور ان کے معاشی حقوق

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

بچے کی پرورش والدین کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور اس پرورش پر اس کی ساری زندگی کی اچھائی اور برائی کا دارومدار ہے اس لئے اس ذمہ داری کے سلسلے میں والدین کو غفلت اور لاپرواہی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ بچے کی ابتدائی عمر کا زیادہ تر حصہ ماں سے وابستہ ہوتا ہے اور پرورش کی زیادہ ذمہ داری ماں پر ہی عائد ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کی تربیت کا اثر بچے کی پوری زندگی پر نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی خوبی اور وصف کے پیش نظر حضور نبی اکرم ﷺ نے قریش کی عورتوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

خَيْرُ نِسَآءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَآءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهٖ.

’’بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں قریش کی نیک عورتیں ہیں۔ یہ تمام عورتوں سے اپنی اولاد پر زیادہ شفیق ہیں اور اپنے پاس موجود خاوندوں کے مالوں کی بہت حفاظت کرتی ہیں‘‘۔ (مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، کتاب النکاح، ص ۶۴)

بچے کی پرورش کی ذمہ داری کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ماں باپ اس کی جسمانی پرورش و نمو کا سامان میسر کریں بلکہ اس کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن، اخلاق و کردار اور اس کی تعلیم و تادیب کا بھی مناسب بندوبست کریں۔ اگر والدین نے بچے کی جسمانی پرورش اور صحت و تندرستی کی دیکھ بھال تو کی لیکن اس کے باطن پر کوئی توجہ نہ دی تو انہوں نے معاشرہ میں صلاح کی بجائے فساد کا دائمی و ابدی بیج بو دیا کیونکہ ایسا بچہ جوان ہونے پر اپنے خاندان اور معاشرے کے لئے دینی و اخلاقی لحاظ سے مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہوگا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے عام مسلمانوں کو یہ حکم دیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا .

’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ‘‘۔ (التحریم: ۶)

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو نہایت جامع انداز میں بیان کردیا گیا ہے۔ آگ سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم و تربیت دینی چاہئے جو ان کی دنیاوی و اخروی کامیابی کی ضامن ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر ہر شخص سے روز قیامت اس ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق گھر کے سربراہ سے لے کر ریاست کے سربراہ تک کو اپنے دائرہ اختیار کے اندر مسئولیت اور نگہبانی کا ملتزم ٹھہرایا گیا ہے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں اسلام کا یہ حکم ہے کہ ان کو پاکیزہ تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرنا والدین کے تمام عطیات سے بہتر عطیہ ہے۔

اولاد کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے باپ کی ذمہ داری پر توجہ دلواتے ہوئے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ مِنْ نحلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ. (ایضاً باب الشفقة والرحمة علی الخلق، ص ۴۴۹)**

''کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھی تعلیم و تربیت سے بہتر عطیہ نہیں دیا''۔

آپ ﷺ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

**مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحسِنِ اسْمَهُ وَاَدبَهُ.**

**(ایضاً، باب الولی فی النکاح واستیذان المراة، ص ۴۳)**

''جس کا کوئی لڑکا پیدا ہوا تو اس کا اچھا نام رکھنا چاہئے اور اچھی طرح ادب سکھانا چاہئے''۔

قرآن و حدیث کے ان احکام سے واضح ہوجاتا ہے کہ اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت والدین کا اولین فریضہ ہے اگر والدین نے اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتی تو ان سے ضرور مواخذہ ہوگا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اولاد طبعًا والدین کی محتاج ہوتی ہے اور اسی احتیاج کی بنا پر والدین ان سے محبت و شفقت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اولاد سے محبت و شفقت کا یہ جذبہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت ایسی کی جائے جو قانون فطرت کے عین مطابق ہو۔

## اولاد کے معاشی حقوق

ایک فرد کو اپنی انفرادی معیشت سے اپنی اولاد پر کس قدر خرچ کرنا ضروری ہے یا پھر خود اولاد اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے مشقت کا بوجھ اٹھائے؟ ان سوالوں کا مختصر اور جامع جواب اسلام نے حسن سلوک کی ایک عام اور جامع اصطلاح میں نہایت خوبصورتی سے سمودیا ہے۔ حسن سلوک کی اس جامع اصطلاح کا اطلاق معاشرے کے ہر اس فرد پر ہوسکتا ہے جو کسی نہ کسی لحاظ سے دوسرے افراد کی توجہ اور مدد کا مستحق نظر آئے۔ اولاد کے متعلق والدین کا حسن سلوک ایک ایسا رویہ جس سے اولاد کی شخصیت کی تذلیل و تحقیر نہ ہو۔ اولاد کے ساتھ نرمی اور محبت و شفقت کا سلوک اسے ذمہ دار بنادیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے بے شمار ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان پر مہربان ہونا کامل ایمان کی نشانی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُوْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَالطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ. (جامع ترمذی، ج۲، ابواب الایمان، ص ۲۱۹)**

''مومنوں میں سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو اخلاق میں اچھا اور اپنے اہل و عیال پر مہربان ہے''۔

اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان پر مہربان ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ان سے بات چیت میں نرمی اور ملاطفت کو ملحوظ رکھا جائے بلکہ ان پر استطاعت کے مطابق خرچ کرنا بھی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

**لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ ط لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ط سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا. (الطلاق:۷)**

''صاحبِ وسعت کو اپنی وسعت (کے لحاظ) سے خرچ کرنا چاہیے، اور جس شخص پر اُس کا رِزق تنگ کردیا گیا ہوتو وہ اُسی (روزی) میں سے (بطورِ نفقہ) خرچ کرے جو اُسے اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ اللہ کسی شخص کو مکلّف نہیں ٹھہراتا مگر اسی قدر جتنا کہ اُس نے اسے عطا فرما رکھا ہے، اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش پیدا فرما دے گا''۔

قرآن مجید کے علاوہ بے شمار احادیث نبویہ ﷺ میں بھی اہل و عیال پر خرچ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

**اِذَا اَعْطَى اللّٰهُ اَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَاْ بِنَفْسِهٖ**

وَاَهۡلِ بَیۡتِہٖ. (مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب النفقات وحق المملوک، ص ۲۰۵)

’’جب تم میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ مال دے تو پہلے اپنے اوپر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرے‘‘۔

آپ ﷺ نے ایک موقع پر نہایت خوبصورت انداز میں اولاد اور گھر والوں پر خرچ کرنے کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

اذا انفق المسلم نفقه علی اهله وهو یحتسبها کانت صدقة. (صحیح بخاری شریف، ج۳، کتاب لانفقات، ص ۱۶۵)

’’جب مسلمان اپنی بیوی بچوں پر کار ثواب سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوجاتا ہے‘‘۔

حتی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انفاق فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو اجرو ثواب کے لحاظ سے زیادہ افضل قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دینار انفقته فی سبیل الله ودینار انفقته فی رقبه ودینار تصدقت به علی مسکین ودینار انفقته علی اهلک اعظمها اجرا الذی انفقته علی اهلک. (صحیح مسلم مع شرح نووی، ج۳، کتاب الزکوٰۃ، ص ۳۲)

’’ایک دینار وہ ہے جس کو تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ایک دینار وہ ہے جس کو تو گردن آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے۔ ایک دینار وہ ہے جس کو تو مسکین پر صدقہ کرتا ہے اور ایک دینار وہ ہے جس کو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے۔ اجرو ثواب کے لحاظ سے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا گیا دینار بڑا ہے‘‘۔

قرآن و حدیث کے ان نصوص سے یہ بات خوب ذہن نشین ہوجاتی ہے کہ ایک فرد کو جب اللہ تعالیٰ رزق و دولت عطا فرمائے تو سب سے پہلے اسے اپنے اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پر خرچ کرے اور ایسا کرنے پر وہ اجروثواب کا بھی مستحق ٹھہرے گا۔

اسلام میں والدین کا اولین فریضہ اولاد کی پرورش اور تربیت ہے۔ ان کو دینی و شرعی علوم سے اس طرح مزین کرنا کہ وہ سچے اور صالح مسلمان، اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار اور ملک و ملت کے وفادار و معمار بن سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے والدین کو اپنی تمام جسمانی قوتوں اور ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا نہایت ضروری ہے۔ یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جب بچوں کو حصول معیشت کی کاوشوں اور محنت واجرت کے بندھنوں سے الگ رکھا جائے۔ والدین کو اپنی کسب معاش کی عظیم ذمہ داری سے بخوبی آگاہی ہو۔ اولاد کی صحیح جسمانی پرورش اور درست تعلیم و تربیت کے کامیاب مرحلے کے بعد ان کو اپنے ذوق وشوق اور اپنی پسند کے مطابق معقول پیشے کو اختیار کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ والد کی ذمہ داری میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں اور ضعیف العمری کے دنوں میں اپنے والدین کا سہارا بن سکیں۔

## معاشرے کی ذمہ داریاں

ہر معاشرے کے اندر انسانوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا ایک فطری امر ہے اس تفاوت کو خود خالق کائنات نے اپنی چند مصلحتوں اور حکمتوں کی بناء پر قائم رکھا ہے لیکن حق معیشت و اسباب معیشت سے فائدہ اٹھانے میں سب افراد کو برابر کا حق حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰکُمۡ.

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں

(امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔ بے شک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے''۔ (الانعام:۱۶۵)

قرآن مجید کی ان آیات میں معیشت میں تفاوت درجات اور اس کی مصلحتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ تفاوت درجات کی ایک واضح مصلحت تو یہ نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک صاحب دولت کی آزمائش کرکے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس انفرادی دولت پر جو اجتماعی حقوق عائد ہوتے ہیں انہیں وہ ادا کرتا ہے یا نہیں کیونکہ اسلام انفرادی ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات کی تکمیل پر بھی زور دیتا ہے۔

اسلام انسانوں کے درمیان امیری اور غریبی کے اس فرق کو تسلیم کرتا ہے لیکن پہاڑ اور رائی میں جو فرق و امتیاز ہے، اسلام اس امتیاز کو قبول نہیں کرتا۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ تمام انسان جسمانی و ذہنی لحاظ سے برابر نہیں، نتیجتاً سعی معیشت کا اختلاف بھی ناگزیر ہے۔ نیز معیشت میں تفاوت درجات اس لئے قائم کی گئی ہے تاکہ انسان کو اس کے عمل و تصرف میں آزمایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں کچھ ایسے لوگ ضرور پائے جاتے ہیں جو مختلف وجوہات کے سبب حق معیشت سے محروم ہوتے ہیں۔ معاشرے میں سایہ پدری سے محروم ہوجانے والے چھوٹے یتیم بچوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ایسے افراد کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی جو اپنے جسمانی و ذہنی اعضاء کی ناکامی و ناکارگی کی بنا پر کسب معاش سے قاصر ہوتے ہیں اور ان کے کم سن بچوں کو معاشی جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ ایسی بیوہ عورتیں بھی زیادہ تعداد میں ملتی ہیں جن کا سہارا کم عمر بچوں کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے اسباب و حالات بھی ہوتے ہیں جن کی بناء پر معاشرے میں بچوں کے ذریعے معاش کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں ایسے بچوں کی تعداد خاصی کافی ہوجاتی ہے جو چائیلڈ لیبر کا شکار ہوکر نہ تو صحیح پرورش پاسکتے ہیں اور نہ ہی تعلیم و تربیت حاصل کرسکتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک و قوم ان کی صلاحیتوں سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ ان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے استفادہ اس صورت میں ممکن ہے جب معاشرہ اپنی ذمہ داریاں سچے اسلامی جذبے سے ادا کرے۔

## چائیلڈ لیبر کا خاتمہ

اسلام جس معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے اس میں ہر فرد دوسرے فرد کا سہارا ہے اس معاشرے کا ہر فرد ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ اس معاشرے میں ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق قرار دیا گیا ہے اور تمام مسلمانوں کو قریب ترین رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی میں ترجیح کا درس دیا گیا ہے۔ اسی طرح قریب ترین رشتہ داروں کو نوازنے کا دائرہ پھیل کر پورے معاشرے کو سیراب کرتا جائے گا۔ یوں اسلام میں قرابت داری اور صلہ رحمی کا انتظام چائیلڈ لیبر کو ختم کرنے میں مدد و معاون ہوسکتا ہے۔

اسلامی معاشرے سے چائیلڈ لیبر کے خاتمے کے لئے قریب ترین رشتہ داروں کو نوازنے اور ان کی مالی معاونت کرنے کے بے شمار احکامات قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ میں موجود ہیں۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر یوں ارشاد ہوا:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِیْمٌ.

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے''۔

حدیث نبوی ﷺ میں بھی قرابت داری اور صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے جس سے قرابت داروں کی کفالت کرکے چائیلڈ لیبر سے نجات مل سکتی ہے۔ حضور

اکرم ﷺ نے نہایت حکیمانہ انداز میں صلہ رحمی کا حکم فرما کر بے سہارا اور مفلوک الحال بچوں کو لیبر کی مشقت سے بچانے کی قابل عمل صورت نکالی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**من احب ان یبسط له فی رزقه وینساله فی اثره فلیصل رحمه. (صحیح بخاری شریف، ج۳، کتاب الاداب، ص۷۵۷)**

''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی اجل میں تاخیر کی جائے اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے''۔

اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ صدقات میں قرابت داروں کو اوروں کی نسبت فوقیت دینے پر دوہرا ثواب عطا کرتا ہے تاکہ لوگ اپنے نادار رشتہ داروں کی مالی معاونت کرنے میں شریک ہوکر ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے قابل بنادیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

**اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِىَ عَلٰى ذِى الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ. (جامع ترمذی، ج ۱، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة، ص ۳۳۹)**

''مسکین کو صدقہ دینا تو صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینے میں دو باتیں ہیں صدقہ اور صلہ رحمی''۔

اسلام نے شفقت پدری سے محروم بچوں کے لئے پورے معاشرے کو ان کی نگہداشت اور پرورش و تربیت کا ذمہ دار ٹھہرا کر چائیلڈ لیبر کو ختم کرنے کی قابل فخر مثال قائم کی ہے۔ حضرت سہلؓ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

**انا وکافل الیتیم فی الجنة هکذا وقال باصبعیة السبابة والوسطی. (صحیح بخاری، ج۳، کتاب الاداب، ص ۳۶۲)**

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ ﷺ نے سبابہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے نزدیکی بتائی''۔

قرآن مجید میں قرابت داروں اور یتامی کے بعد مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی اس ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ قرابت داروں اور یتامی کے حقوق کے بعد مسکین کے حق کی ادائیگی اولین اہمیت کی حامل ہے۔ اسلام نے معاشرے کے اس کمزور اور ضعیف طبقے کی مالی اعانت کرکے چائیلڈ لیبر کی بیخ کنی کو یقینی بنایا ہے۔ اسلام تمام مسلمانوں کو رشتۂ اخوت میں منسلک کرکے اتحاد و یکجہتی کو پروان چڑھا کر ایک ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس کا ہر ایک فرد دوسرے فرد کی مالی مدد کرکے اس کا سہارا بن سکتا ہو۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر یہ ذمہ داری عائد کردی گئی ہے کہ دوسرے مسلمانوں کی ضروریات و حاجات کو پورا کریں۔ معاشرے کا کوئی مسلمان بھائی برے حالات کا شکار ہوکر اس حالت تک پہنچ جائے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح پرورش اور تربیت سے بھی قاصر ہو اور اس کی کم عمر اولاد کو معاشی جدوجہد کرنا ضروری ہوجائے تو اس کی اتنی مالی اعانت کی جائے جس سے اس کے بچوں کا مستقبل سنور جائے اور دوسری ضروریات زندگی بھی پوری ہوجائیں کیونکہ یہی شیوۂ مومن ہے جس کی وضاحت اس حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ

**وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبُّ لِاَخِيْهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (مشکوٰة المصابیح، جلد دوم، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، ص۷۴۴)**

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس وقت تک کوئی آدمی مسلمان کامل ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے''۔

یہ حدیث مبارکہ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ معاشرے کا ایک صاحب ثروت کبھی بھی اپنی اولاد کو چائیلڈ

لیبر کے عمل میں شریک کرنا گوارہ نہیں کرتا تو پھر عامۃ المسلمین کے کم سن بچوں کی مشقت (لیبر) پر اسے رنجیدہ ہونا لازمی امر ہے۔ اسے صرف رنجیدگی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ مالی کفالت کرکے چائیلڈ لیبر کے خاتمے کے لئے کوشاں رہنا چاہیے کیونکہ بچے قوم کا سرمایہ اور مستقبل کے محافظ و امین ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا.

''وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کیا اور بڑوں کی تعظیم نہ کی''۔ (الادب المفرد، ص۱۲۳)

اس پوری تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ معاشرے کو چائیلڈ لیبر سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں بحیثیت مجموعی مومنانہ کردار ادا کرنا ہوگا۔ معاشرے کی ابتدائی سطح سے قرابت داری اور صلہ رحمی کا انتظام کرکے مالی کفالت کا دائرہ عامۃ المسلمین تک پھیلانا ہوگا۔ ملکی وقومی سطح پر آبادی کے بیشتر حصے کو مفلسی و ناداری سے بچاکر بچوں پر مشقت جیسی بیماری کا خاتمہ کرکے روشن مستقبل کی نوید سنانا ممکن نظر آئے گا۔

## بچوں پر مشقت اور حکومت کی ذمہ داری

اسلامی معاشرے سے بچوں پر مشقت کے خاتمے کے لئے اسلامی تعلیمات کے مطابق والدین کا اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور معاشرے میں قرابت داری اور صلہ رحمی کے کفالتی نظام کو فروغ دینے سے ہی چائیلڈ لیبر کو ختم کرنا ممکن ہوسکے گا۔ ہمارے ہاں بچوں پر مشقت کے خاتمے کے سلسلے میں وعظ وتلقین، ہمدردانہ اپیلوں اور ترغیب و ترہیب سے کام لیا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام معاشرے سے بچوں پر مشقت کے خاتمے کے لئے وعظ ونصیحت اور ترغیب وتلقین پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ حکومت اور قانون کا دباؤ بھی استعمال کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ مستقل اور پائیدار نظام تشکیل پائے۔

معاشرے کے اہل حاجت افراد کی حاجت برآری اور ان کی معاشی ضروریات کو پورا کرنا اسلامی حکومت کے فرائض میں سرفہرست ہے۔ اس مقصد کے لئے حکومت معاشرے کے اندر پائی جانے والی ناہمواری اور عدم توازن کو دور کرنے کے اقدامات کرنے کی پابند ہے تاکہ محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کرکے معاشرے کو چائیلڈ لیبر سے پاک صاف کیا جاسکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اصحاب امر کے لئے یہ بنیادی اصول واضح فرمادیا کہ وہ محروم افراد کی ضروریات سے غافل نہیں رہ سکتے۔

حضرت عمروؓ بن مرہ سے روایت ہے انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

مَنْ وَلَاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ احْتَجَبَ اللّٰهُ دُوْنَ حَاجَتِهٖ وَخَلَّتِهٖ وَفَقْرِهٖ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلٰى حَوَائِجِ النَّاسِ. (مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب ماعلی الولاۃ من التیسیر ص۱۹۶)

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی امر کا والی بنادیا پھر وہ ان کی ضروریات و حاجت اور محتاجی کے وقت پردہ میں رہا اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات، حاجت اور محتاجی کے وقت پردے میں رہے گا (یہ سُن کر) حضرت معاویہؓ نے لوگوں کی ضروریات کیلئے ایک آدمی مقرر کردیا''۔

ایک اور مقام پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ وُلِّيَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ اغْلَقَ بَابَهُ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَظْلُوْمِ اَوْ ذِی الْحَاجَةِ اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهُ اَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ عِنْدَ حَاجَتِهٖ وَفَقْرِهٖ اَفْقَرَ مَايَكُوْنُ عَلَيْهِ. (ایضاً، کتاب الامارۃ واقضاء، ص۱۸۹)

''جو شخص لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا والی بنے پھر مسلمانوں پر اپنا دروازہ بند کرلے یا کسی مظلوم یا صاحب حاجت کے لئے دروازہ بند کرلے اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت کے دروازے اس کی ضروریات اور حاجت کے لئے بند کرلے گا جبکہ وہ اس کا بہت محتاج ہوگا‘‘۔

حضور اکرم ﷺ کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صاحب امر حاجت مند افراد کی حاجات پوری کرنے کا بندوبست نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا مستحق ٹھہرے گا۔ عوام کی ضروریات زندگی کی تکمیل کا انتظام فی الحقیقت اس خیر خواہی کے اندر شامل ہے جو صاحب امر پرضروری قرار دی گئی ہے۔ جو حاکم عوام کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتے اس کا اخروی انجام بہت برا ہوگا ایسے حکمرانوں کے لئے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد یوں ہے:

**مَامِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْ عِیْهِ اللّٰهُ رَعِیَّةً فَلَمْ یَحُطْهَا بِنَصِیْحَةٍ اِلَّالَمْ یَجِدْرَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (ایضاً، کتاب الامارۃ والقضاء، ص ۱۸۸)**

’’کوئی بندہ ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ رعیت پر نگہبان کردے پھر وہ خیر خواہی کے ساتھ ان کی نگہبانی نہ کرے مگر جنت کی بو نہ پائے گا‘‘۔

حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ عوام اور رعیت کے ساتھ خیر خواہی کا اولین تقاضا یہ ہے کہ جن ضروریات کی عدم تکمیل سے ان کی جانیں ضائع ہوجانے کا خدشہ ہو ان کو پورا کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ شریعت نے اسلامی حکومت کو اپنے عوام کا نگہبان قرار دیا ہے۔ نگہبانی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ محروم افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا بندوبست کیا جائے۔ اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی حدود ومملکت سے فقرو مسکنت کی جڑیں کاٹ کر عوام کی فارغ البالی کا اہتمام کرے۔

آج سے چودہ سو سال قبل جبکہ غیر مسلم اقوام میں ان اصلاحی قوانین کا شعور بھی نہ تھا اسلام نے ہر گوشہ زندگی کے لئے ایسے اصلاحی پہلو اجاگر کردیئے کہ دنیا آج بھی اس طرح کی اصلاحات نہیں کرسکتی۔ اسی ضمن میں بچوں سے مشقت کرانے کا معاملہ بھی آتا ہے۔ کسب معاش کی اس عملی دوڑ دھوپ میں کم عمر بچوں کو شریک کئے بغیر گھر کے دوسرے بالغ افراد بالخصوص صاحب خانہ اپنی اس بنیادی ذمہ داری سے آگاہ ہوں۔ کیونکہ اسلامی نکتہ نگاہ سے یہ بات قطعاً جائز اور روا نہیں کہ چھوٹے بچوں کو کسی جسمانی یا ذہنی اذیت ومصیبت میں مبتلا کردیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

**للمملوک طعامه وکسوته بالمعروف ولا یکلف من العمل الا یطیق. (موطا امام مالک، کتاب الاستیذان، ص ۸۱۲)**

’’مملوک کے لئے کھانا اور پہننا بہتر طور پر مہیا کیا جائے اور اس سے اتنا ہی کام لیا جائے جو اس کی طاقت کے مطابق ہو‘‘۔

**ان عمر بن الخطاب کان یذهب الی العوالی کل یوم سبت فاذا وجد عبدا فی عمل لا یطیقه وضع عنه منه. (ایضاً)**

’’حضرت عمرؓ بن خطاب ہر ہفتے کے دن اردگرد کے دیہات میں جاتے اور کسی غلام کو اگر اس کی طاقت سے زیادہ کام کرتا دیکھتے تو کم کردیا کرتے‘‘۔

ان دونوں نصوص سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی کی جسمانی طاقت سے زیادہ کام لینا شرعاً ممنوع ہے اس لئے بچوں سے مشقت کرانا کسی صورت جائز نہیں ہوسکتا۔ حضرت عثمانؓ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

**ولا تکلفوا الصغیر الکسب. (ایضاً)**

’’اور چھوٹے بچوں کو کسب معاش کی تکلیف نہ دو‘‘۔

اسلام کے ان واضح احکامات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا بہت سہل اور آسان ہے کہ کم عمر بچوں سے کسب معاش کی تکلیف کو دور کیا جائے اور والدین، معاشرہ اور حکومت کا اپنی اپنی سطح پر بچوں پر مشقت (چائیلڈ لیبر) کے مکمل خاتمے کے لئے عملی کردار ادا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

# فرانس: یونیسکو کے زیر اہتمام انٹرنیشنل کانفرنس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شرکت

چیئرمین سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن محترم ڈاکٹر حسن محی الدین القادری نے یکم اکتوبر 2015ء کو فرانس میں یونیسکو کے زیر اہتمام منعقدہ انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کی اور ''روح اسلام اور عصر حاضر کے چیلنجز'' کے عنوان سے تقریب میں اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس انٹرنیشنل کانفرنس میں دنیا کے ایک سو چالیس ممالک سے سکالرز، دانشوروں، سفیروں اور مختلف سماجی شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی ممتاز عالمی شخصیات نے شرکت کی۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین القادری نے فصیح و بلیغ عربی میں خطاب کیا جسے شرکائے کانفرنس نے بے حد سراہا۔

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین القادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تہذیبوں کے مابین تصادم روکنے کیلئے آزادی اظہار کی نئی تعریف ناگزیر ہے۔ پر امن اور متوازن سوسائٹی کی تشکیل قرآن اور ایمان کا تقاضا ہے۔ ظلم و جبر، دولت کا بے جا ارتکاز اور ہر طرح کے استحصال کے خلاف جدوجہد کرنا عین اسلام ہے۔ قرانی تعلیمات میں دہشت گردی، انتہا پسندی کے فروغ کا سبب بننے والے باطل عقائد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی ممالک گورننس کی بہتری کیلئے وسائل اور اختیارات کے ارتکاز کا خاتمہ اور شفافیت کو طرہ امتیاز بنائیں۔ بے گناہوں کو مارنے والے فسادیوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تہذیبوں کے مابین تصادم روکنے کیلئے بین المذاہب ہم آہنگی اور احترام ناگزیر ہے۔ آزادی اظہار کی آڑ میں اسلامی شعائر اور پیغمبر اسلام کی توہین کی ناپاک حرکتیں بند ہونی چاہئیں اور آزادی اظہار کی نئی اور متفقہ تعریف ناگزیر ہے۔ آج قرآنی تعلیمات کی غلط تعبیر اور تشریح کی جارہی ہے، اس میں اپنوں کی مصلحتوں اور غیروں کی شاطرانہ چالوں کا بڑا گہرا عمل دخل ہے۔ دین اسلام میں انتہا پسندی اور کرپشن کے خاتمہ کے حوالے سے بڑے واضح احکامات ہیں۔ اپنے جائز حصے سے زیادہ کی خواہش کرنا کرپشن ہے۔ اسی کرپشن اور معاشی دہشت گردی کی وجہ سے انتہاپسندی، لاقانونیت اور پھر دہشت گردانہ رجحانات جنم لیتے ہیں۔ انتہا پسندی زوال اور تباہی کا راستہ ہے، عالم اسلام میں انتہا پسندانہ رجحانات کے فروغ کی بڑی وجہ قرآن وسنت کے مطالعہ سے مجرمانہ غفلت برتنا ہے۔ اسلام بین المذاہب ہم آہنگی اور اسلامی بھائی چارے کے فروغ کی تعلیمات سے عبارت ہے۔ یہ خوش آئند ہے کہ مسلم امہ کے سکالرز اور دانشوروں نے انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف فکری سطح پر جہاد کا آغاز کیا ہے، اس فکر کو عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ گمراہ عناصر سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کیلئے استعمال کرنے سے باز رہ سکیں۔

تقریب کے منتظمین نے عالمی امن کے فروغ اور بین المذاہب ہم آہنگی کے حوالے سے منہاج القرآن انٹرنیشنل کی خدمات کو سراہا، بالخصوص شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی طرف سے امن کے فروغ کیلئے پیش کئے جانیوالے نصاب کو ایک عظیم عالمی اور ملی خدمت قرار دی۔

☆ فرانس کے اس دورہ کے موقع پر محترم ڈاکٹر حسن محی الدین نے فرانس کے معروف میگزین اور الجزائر کے ٹی وی چینل الخبر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے عوام دہشت گردوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن کر افواج پاکستان کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔ آپریشن ضرب عضب فوج اور پاکستان کے عوام کی مشترکہ جدوجہد ہے، اس میں پاکستان کو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں، ہم پوری دنیا کو یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان میں کسی دہشت گرد گروپ کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

## فلپائن: بین المذاہب رواداری ورکشاپ۔ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز MQI کی شرکت

21 ستمبر 2015ء کو فلپائن کے دارالحکومت منیلا کے معروف جزیرہ Zamboanga ہارمنی ویلج میں 10 روزہ بین المذاہب رواداری ورکشاپ منعقد ہوئی، جس میں اٹلی، پاکستان، جرمنی، آسٹریا، بنکاک اور ملائیشیا کے علاوہ فلپائن منیلا اور Zamboanga کے انٹرفیتھ راہنماؤں نے شرکت کی۔ پاکستان سے منہاج القرآن انٹرنیشنل انٹرفیتھ ریلیشنز کے ڈائریکٹر محترم سہیل احمد رضا کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ سربراہ سلسلہ ڈائیلاگ موومنٹ Fr. Sebastiano D Ambra نے ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز سہیل احمد رضا کا ایئرپورٹ پر شاندار استقبال کیا۔

اس ورکشاپ میں مختلف نوعیت کی سرگرمیوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عالمی سطح پر مسلم اور مسیحی تعلقات کو فروغ دینا اس کا خاص موضوع تھا۔ ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز محترم سہیل احمد رضا نے دس روزہ پروگرام میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی عالمی سطح پر مذاہب عالم کے مابین دوستی کے فروغ، باہمی ثقافتی تصادم کو روکنے کے لیے عملی اقدامات اور عالم انسانیت کو باہمی رواداری، حسن سلوک، برداشت، امن بقائے باہمی، قیام امن اور دہشت گردی و انتہاپسندی کے خاتمے کے لیے کی جانے والی کاوشوں پر مختلف تعلیمی اداروں میں اظہار خیال کیا۔ خاص طور پر دہشت گردی کے خاتمے کے لیے امن نصاب کو اپنے تعارف کا خاص حصہ بنایا اور مختلف معروف شخصیات کو شیخ الاسلام کا دہشت گردی کے خلاف تاریخی فتویٰ بھی تحفہ میں پیش کیا۔

ڈائریکٹر انٹرفیتھ نے فلپائن کے مختلف تعلیمی اداروں کے وزٹ کئے اور وہاں کے مسلمان راہنماؤں کے علاوہ مسیحی راہنماؤں سے بھی تبادلہ خیال کیا اور خاص طور پر فلپائن میں بسنے والے مسلمان خاندانوں کے افراد سے ملاقات کی اور انہیں شیخ الاسلام کی عالمی سطح پر قیام امن کیلیے خدمات، انسانیت کی عظمت و وقار کے فروغ اور خواتین کے حقوق کو اجاگر کرنے کے لیے جدوجہد اور ان کی سیکڑوں تصانیف اور مختلف کانفرنسز سے بھی متعارف کرایا۔ اس موقع پر مختلف قائدین مذاہب نے شیخ الاسلام کی عالمی سطح پر خدمات کو کھلے دل سے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور فلپائن تشریف لانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری کی فلاسفی اور نظریات عالمی امن کے قیام میں بنیادی کردار ادا کرسکتے ہیں۔ ہم ان کی آئیڈیالوجی کو اپنی سرزمین میں فروغ دینے کی کوشش کریں گے تاکہ عالم انسانیت کو ہرطرح کی دہشت گردی اور انتہا پسندی، نفرت اور تعصّبات سے پاک کیا جائے۔

## منہاج القرآن علماء کونسل کے 27 ویں یوم تاسیس کے موقع پر علماء کنونشن کا انعقاد

منہاج القرآن علماء کونسل کے 27 ویں یوم تاسیس کے موقع پر محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی زیرصدارت 10 اکتوبر 2015ء کو مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن لاہور میں علماء کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں محترم غلام اصغر صدیقی، محترم مفتی خلیل قادری، محترم ڈاکٹر مسعود مجاہد، محترم مفتی محبوب صدیقی، محترم سید مشرف شاہ، محترم علامہ محمد عثمان سیالوی، محترم علامہ محمد یونس، محترم علامہ رمضان جامی، محترم قاری عاصم اقبال نوری اور تمام مسالک کے جید علماء کرام نے خصوصی شرکت کی۔

تحریک منہاج القرآن کی سپریم کونسل کے چیئرمین محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی مصلحتوں کے تحت حکومت قومی ایکشن پلان کو سبوتاژ کرنے کی سازش کررہی ہے۔ امن قائم کرنے کا جو موقع فوج کے تاریخی کردار کے باعث حاصل ہوا ہے۔ علماء اور عوام اسے کسی صورت ضائع نہیں ہونے دینگے۔ سالہا سال حکومتی صفوں میں بیٹھے وزراء اور اہم عہدیدار فرقہ واریت کو فروغ دیتے رہتے ہیں اور محرم الحرام میں

حکومت کو بین المسالک ہم آہنگی اور علماء کا کردار یاد آجاتا ہے۔

اسلام امن، برداشت اور بھائی چارے کا دین ہے۔ اسلام میں بے گناہوں کے خون بہانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام اور پاکستان کے دشمن مذہب کے نام پر بے گناہوں کو خون میں نہلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اسلامیان پاکستان اپنے اتحاد اور یکجہتی سے دشمنان اسلام کی سازشوں اور وارداتوں کو ناکام بنائیں۔ منہاج القرآن ایک علمی فکری تحریک ہے قائد تحریک ڈاکٹر طاہرالقادری کی سرپرستی میں دہشتگردی کے خاتمے اور امن کے فروغ کیلئے پوری دنیا میں اپنا اسلامی وقومی کردار ادا کررہی ہے۔ علماء کرام فروغ امن کے نصاب کا بطور خاص مطالعہ کریں اور امن کے اس پیغام کو تمام انسانیت تک پھیلائیں۔ افواج پاکستان نے دہشتگردی کے خاتمہ کیلئے تاریخی کردار ادا کیا تاہم پائیدار امن کے قیام کیلئے فکری سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام صرف علمائے کرام ہی کرسکتے ہیں۔

انہوں نے علم اور امن کے فروغ کیلئے منہاج القرآن علماء ونگ کے ملی، مذہبی وقومی کردار کو سراہا اور انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ تقریب سے محترم علامہ فرحت حسین شاہ، محترم علامہ امداد اللہ قادری، محترم علامہ میر آصف اکبر قادری اور محترم مفتی ارشاد حسین سعیدی نے بھی خطاب کیا۔

## مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے 21 ویں یوم تاسیس کے موقع پر تقریب کا انعقاد

مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے 21 ویں یوم تاسیس کے موقع پر 7 اکتوبر 2015ء کو مرکزی سیکرٹریٹ میں چیئرمین سپریم کونسل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی زیرصدارت تقریب منعقد کی گئی جس میں ایم ایس ایم کے تحصیلی وضلعی عہدیداران نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

انقلاب کا سورج طلوع ہونے کو ہے۔ یہی نوجوان قومی مجرموں سے ایک ایک جرم کا حساب لیں گے۔ دھرنے کے دوران ایم ایس ایم کے نوجوانوں نے سرکس کے شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو وہ دم دبا کر بھاگ گیا۔ وزیراعظم خوف کے مارے وزیراعظم ہاؤس میں نہیں سوتے تھے۔ ایم ایس ایم کے قربانی کے جذبہ سے سرشار نوجوانوں نے انقلاب مارچ میں ثابت کیا کہ سازش، کمیشن اور کک بیکس کی کمائی سے حاصل کئے گئے اقتدار کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ کرپشن زدہ بدبودار نظام کو باشعور نوجوان مزید برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ایم ایس ایم کے نوجوان قائد انقلاب ڈاکٹر طاہرالقادری کے مشن کے ہراول دستہ اور انکی قربانیاں تاریخ کا سنہرا باب ہیں۔

ایم ایس ایم کے مرکزی صدر محترم عرفان یوسف نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قائد انقلاب کا خواب ضرور شرمندہ تعبیر ہوگا۔ ایم ایس ایم کا 21 سالہ سفر عظیم قربانیوں کی داستان سے مزین ہے۔ ایم ایس ایم کے نوجوان یکساں نظام تعلیم، طبقاتی نظام کے خاتمہ اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے خلاف شعور کو عام کر رہے ہیں۔ مصطفوی انقلاب کی جدوجہد جاری ہے اور جاری رہے گی۔ ایم ایس ایم کے نوجوان قائد محترم ڈاکٹر طاہرالقادری کے فروغ امن کے پیغام کو ہر گھر اور ہر طالب علم تک پہنچا رہے ہیں۔

اس تقریب سے مرکزی اور سینئر عہدیداران نائب ناظم اعلیٰ محترم تنویر خان، محترم ملک سعید عالم، محترم میاں مرتضٰی مرتضائی، محترم ہاشم حسین، محترم ملک باسط، محترم رانا تجمل، محترم حافظ ثمر عباس نے خطاب کیا۔

تقریب میں ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ آئین کے آرٹیکل A-25 کے مطابق چاروں صوبائی حکومتیں 5 سے 16 سال کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم کا حق دیں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو میرٹ پر روزگار دیا جائے۔

# تحریک منہاج القرآن شمالی پنجاب کے اضلاع اور تحصیل کی تنظیم نو

گذشتہ ماہ نائب ناظم اعلیٰ تنظیمات محترم رانا محمد ادریس قادری نے شمالی پنجاب کے متعدد اضلاع کا دورہ کیا اور تحریک منہاج القرآن راولپنڈی کے امیر محترم انار خاں گوندل اور ان کی پوری ضلعی باڈی کو اپنے زون کی 100 فیصد تحصیلی تنظیم سازی مکمل کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ شمالی پنجاب میں درج ذیل احباب کو صدر اور ناظم کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

☆ضلع راولپنڈی۔ انار خان گوندل (امیر) 03335113951، محمد کوثر اعوان (صدر) 03335124026

☆ گوجر خان PP-3۔ عبدالقیوم (صدر) 03315157457، محمد ریاست علی قادری۔ (ناظم) 03145614024

☆کلر سیداں۔ قاری محمد اجمل علی قادری (صدر) 03015175446، محمد اکرام قادری (ناظم) 03315572472

☆مری۔ محمد الطاف عباسی (صدر) 03055285306، قاری محمد اخلاق عباسی (ناظم) 03225732335

☆راولپنڈی پی پی 10-A۔ منظور احمد ملک (صدر) 03145151314، محمد آصف (ناظم) 03135025911

☆راولپنڈی پی پی 10-B۔ وسیم اختر (صدر) 03335700446، حافظ محمد اشتیاق (ناظم) 03335580963

☆راولپنڈی پی پی-11۔ محمد نذیر ہزاروی (صدر)، فیصل زمان (ناظم) 03455208950

☆راولپنڈی پی پی-12۔ حیات اللہ نیازی (صدر) 03455550124، خضر حیات نقشبندی (ناظم) 03345613213

☆راولپنڈی پی پی 14-A۔ مظہر الحق (صدر) 03215112340، محمد قیصر (ناظم)

☆راولپنڈی پی پی 14-B ۔ راجہ محمد مسعود (صدر) 03325340516، سرپلند خان (ناظم) 03335589548

☆راولپنڈی پی پی 5-B۔ راجہ ساجد محمود (صدر) 03413270833، عامر عزیز کیانی (ناظم) 03129217381

☆راولپنڈی پی پی 6-A۔ محمد اعجاز عباس (صدر) 03005385471، محمد سجاد (ناظم) 03335267265

☆راولپنڈی پی پی6-B۔ رفاقت حسین (صدر) 03335393265، مشتاق احمد ستی (ناظم) 03215022922

☆راولپنڈی پی پی 6-C۔ چوہدری افضل خان (صدر) 03365165800، چوہدری محمد وقاص (ناظم) 03015613968

☆راولپنڈی پی پی-9۔ محمد یونس چیمہ (صدر) 03009879239، راجہ ساجد محمود (ناظم) 03465455653

☆ ٹیکسلا پی پی-7۔ سیف اللہ قادری (صدر) 03335226306، محمد عبدالعزیز (ناظم) 03215252834

☆ضلع: جہلم۔ پروفیسر شاہد بشیر (صدر) 03327877772، قاضی نصیر احمد (ناظم) 03009519697 ❁❁

## ﴿انتہائی ضروری گذارش﴾

بیرون شہر سے مرکزی سیل سینٹر پر خریداری کے لئے آنے والے معزز احباب سے درخواست کی جاتی ہے کہ مرکزی سیل سینٹر آنے سے قبل اپنی ڈیمانڈ درج ذیل فون نمبر پر نوٹ کروادیں۔ آپ بذریعہ SMS، ای میل بھی اپنی ڈیمانڈ بھجواسکتے ہیں تاکہ آپ کے تشریف لانے پر آپ کی مطلوبہ اشیاء کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے۔ شکریہ

فون نمبر: 0346-4632918, 0323-4116675, 0423-5168514

E-mail: sosdfa@minhaj.org

## اہلِ بیتِ اَطہار علیہم السلام اور شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصانیف

# شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر

**450** سے زائد کتب دستیاب ہیں

MINHAJ UNIVERSITY LAHORE
DISCIPLINE · INNOVATION · EXCELLENCE · CHARITY
MUL

MINHAJ university Lahore

HURRY UP ADMISSIONS OPEN FALL 2015 FEW DAYS LEFT REGISTER NOW

ECONOMICS & FINANCE
BS | M.Sc | M.Phil

MEDICAL LAB TECHNOLOGY
BS Medicail Lab Technology (BSMLT)
M.Phil Biochemistry
M.Phil Moleculaarbiology

CRIMINOLOGY & CRIMINAL JUSTICE SYSTEM
M.Sc | PGDC

MASS COMMUNICATION
LIBRARY & INFORMATION SCIENCE
BS | M.Sc | M.Phil | Ph.d

SIEBF
SCHOOL OF ISLAMIC ECONOMICS BUSINESS & FINANCE

SPECIALIZATION ECONOMICS IN ISLAMIC BANKING & FINANCE
BS | M.Sc | M. Phil

SPECIALIZATION ISLAMIC STUDIES IN ISLAMIC COMMERCIAL JURISPRUDENCE
BS Islamic | M.Phil

SPECIALIZATION COMMERCE IN ISLAMIC BANKING & FINANCE
B.Com | M.Com | M Phil

CERTIFIED ISLAMIC BANKING & FINANCE PROFESSIONAL
POST GRADUATE DIPLOMA IN ISLAMIC BANKING & FINANCE
POST GRADUATE DIPLOMA IN ISLAMIC BUSINESS ETHICS

CONTACT +92.(0)321.4348060
+92.(0)304.5673621 -+92.(0)303.4832503

BUSINESS & MANAGEMENT SCIENCE
BBA | BPA | BBS | MBA
EMBA | MPA | M.Phil
MASTER IN HRM
MARKETING
SUPPLY CHAIN | B&F

FOOD & NUTRITION
DOCTOR OF CLINICAL NUTRITION
BS | M.Sc | M.Phil

BEHAVIORAL SCIENCE
BA | B.Sc | BS

EDUCATION, HISTORY, PAK STUDIES
BS | B.Ed | M.Ed
M.A | M.Phil

POLITICAL SCIENCE, SOCIOLOGY, IR PUBLIC POLICY
BS | M.Sc
M.Phil | Ph.d

COMPUTER SCIENCE & INFORMATION TECHNOLOGY
SOFTWARE ENGINEERING
BS | M.Sc | M.Phil

ENGLISH, URDU, ARABIC
BS | M.A
M.Phil | Ph.d

COMMERCE & ACCOUNTANCY
B.Com | M.Com
BS | M.Phil

International Center of Excellence
Join ICE to Break ICE
Fast Food Chef Course - 2 Months
Hotel Management Diploma - 6 Months
Travel Agency - 1 Month
Graphic Designing - 6 Months
Advance Ms-Office - 2 Months
Ornate Spoken English Course - 1 Months
Video Production - 2 Months
Chinese Language - 2 Months
Arabic Language - 2 Months
Contact 0343.4990782 - 0320.4121100

SCHOOL OF FASHION DESIGN
BS Fashion Design (BSFD)
BS Interior Design (BSID)

PHYSICS, CHEMISTRY
MATH, STATISTICS
BOTANY, ZOOLOGY
BS | M.Sc | M.Phil

The Enterpreneurial EXECUTIVE MBA
BY LOCAL & FOREIGN FACULTY
Regular, Morning & Evening Classes
Weekend Classes

DEPARTMENT OF PHYSIOTHERAPY
BS Physiotherapy

ISLAMIC STUDIES & SHARIAH
BS | M.A
M.Phil | Ph.d

@ Most Economical Packages
7 DAYS A WEEK OPEN
All Disciplines Morning / Evening & Weekend Programs
Chartered by Government of the Punjab Recognized by the HEC in W3 Rank
Hamdard Chowk, Town Ship, Lahore.
Phone 042.35145621-4 . Evening Coordinator 0335.8228883
Email info@mul.edu.pk
www.mul.edu.pk

FACULTY OF LAW
L.L.B
(IN PROCESS)

MinhajUniversityLahore @officialMUL